منظر نامہ

معصوم

گلزار

منظر نامہ

9

معصوم

گلزار

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025

© گلزار

پہلی اشاعت : 2013
تعداد : 550
قیمت : -/52روپے
سلسلۂ مطبوعات : 1589

Masoom
by:
Gulzar

ISBN: 978-81-7587-871-6

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8 آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی -110066
فون نمبر: 26109746، فیکس :26108159
ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد دہلی۔ 110 006
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho (Top) کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ اس کی کارگزاریوں کا دائرہ کئی جہتوں کا احاطہ کرتا ہے۔ جن میں اردو کی ان علمی وادبی کتابوں کی اشاعت بھی شامل ہے جو اردو زبان وادب کے ارتقا میں معاون ہو سکتی ہیں۔ قومی اردو کونسل نے اب فلمی اسکرپٹ کا انتخاب "منظر نامہ" کے عنوان سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ اردو میں ایک نئی صنف ادب کا اوّلین تعارف ہوگا۔ زبان وادب کا براہ راست روزگار سے متعلق ہونا ضروری نہیں لیکن جب کسی بھی زبان میں Excellence پیدا ہو جاتا ہے تو وہ خود بخود روزگار سے جڑ جاتی ہے۔ اردو زبان کو نئے ابھرتے ہوئے سائنسی اور تکنیکی منظر نامے سے کونسل نے اپنے کمپیوٹر اپلی کیشن اینڈ ملٹی لنگول ڈی۔ ٹی۔ پی، کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن، ملٹی لنگول ٹائپ اینڈ شارٹ ہینڈ نیز فنکشنل عربک کے کورسوں کے ذریعے جوڑنے کی کوششیں کی ہیں جنھیں بہت حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے۔ فلمی منظر ناموں کو شائع کرنے کا ایک مقصد جہاں اردو زبان وادب کی ا۲ :.دایت کو جو مغل اعظم، انارکلی، پاکیزہ، رضیہ سلطانہ، بازار وغیرہ کی شکل میں موجود ہیں محفوظ کرنا ہے وہیں دوسری جانب ان طلبا وطالبات کو اس تکنیک سے باخبر کرنا بھی مقصود ہے جو اسکرپٹ اور مکالمہ نگاری کے میدان میں اپنا مستقبل بنانے کے خواہش مند ہیں۔ اردو زبان وادب میں منظر نامہ ایک نئی صنف کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی تعریف یوں وضع کی گئی ہے کہ

''بصری پیکروں کا سلسلہ جو کہانی کا روپ دھارن کرلے، وہی منظر نامہ ہے''۔ اس سمت میں سردست گلزار صاحب نے پہل کی ہے اور انھوں نے کونسل کو 'آندھی'، 'خوشبو'، 'ہوتو تو'، 'لباس'، 'مِیرا'، 'کوشش'، 'میرے اپنے'، 'معصوم' اور 'اجازت' کے منظر نامے اشاعت کے لیے فراہم کیے ہیں۔ اس کے لیے کونسل ان کی بے حد مشکور و ممنون ہے۔ مزید منظر ناموں کی حصولیابی کے لیے کونسل سنٹرل بورڈ آف فلم سرٹیفکیشن سے رجوع کررہی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں انھیں شائع کیا جاسکے۔

اہل قلم سے گزارش ہے کہ کونسل کی اس نئی کاوش کے بارے میں ہمیں ضرور بتائیں تاکہ اس ضمن میں ایک مربوط اشاعتی پروگرام مرتب ہوسکے۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

ڈائرکٹر

معصوم

ششیکھر نے آتے ہی ایک ناول کا نام لیا!

Man, Woman 'and ....

اور پھر کہانی تو نہیں، لیکن آئیڈیا سنایا___ اور کہا ''ناول لا کر دوں۔ پڑھیں گے؟''___ ''نہیں!'' میرے ہاتھ میں اور بہت کچھ تھا۔ میں نے کہا، ''کہانی کی زمین اچھی ہے۔ میں کچھ لکھ لوں۔ پھر پڑھ لوں گا۔

میں نے اپنی طرح ایک کہانی گڑھی۔ اسکرپٹ (script) بھی لکھ لی۔ میں نے سنائی اور کہا۔ ''اب لا دو ناول۔ پڑھ لوں گا۔''

''مت پڑھو! یہ کہانی بہت معصوم ہے۔ وہ نہیں ہے!!''

اس کے بعد آج تک وہ ناول نہیں پڑھا!!

گلزار

1

ہسپتال کے کوریڈور میں ایک بینچ پر بوڑھا سا آدمی سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ اسی وقت ایک نرس ان کے قریب آئی اور چھو کر کر بولی۔

''آپ کو بلا رہی ہیں، آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں، جلدی چلیے۔''

وہ شخص تیزی سے اٹھا، اور نرس کے ساتھ چل پڑا۔

1.A

ایک لڑکا، آٹھ دس برس کا تیزی سے پہاڑی راستوں کو عبور کرتا، ہسپتال میں داخل ہوا۔ اور دوڑتا ہوا ایک کمرے میں چلا گیا۔ اندر بیڈ پر ایک وجود کو سفید کپڑے سے ڈھک دیا گیا تھا۔ اور بوڑھا شخص سر جھکائے بیٹھا تھا۔ لڑکا دھیرے دھیرے بیڈ کی طرف بڑھنے لگا تو بوڑھے شخص نے اسے پکڑ کر اس کے سر کو سہلایا۔

1.B

ہسپتال کے دوسرے کمرے میں، بوڑھا شخص کسی پیپر پر دستخط کر رہا تھا، اور سامنے بیٹھا کلرک کہہ رہا تھا۔

''بھاؤنا جی کی وصیت کے مطابق اب ان کے بیٹے راہل کی ساری ذمہ داری

آپ کوسونپ دی گئی۔''

ماحول میں ایک خاموشی پھیلی تھی۔کھڑکی کے پاس کھڑا راہل بھی خاموش دیکھ رہا تھا۔کلرک نے پھر پوچھا۔

''...... آپ ان کے رشتہ دار ہیں کیا؟''

''جی نہیں!''

''انھیں بہت پہلے سے جانتے ہیں؟''

''جب سے وہ، اسکول میں تھی۔''

''انھوں نے جو بھی جائداد، اپنے بیٹے کے نام چھوڑی ہے اسے ٹرسٹ میں رکھ دیا گیا ہے۔سارے کاغذات تیار ہو جانے پر آپ کو بھجوا دیا جائے گا۔''

راہل ابھی بھی کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔

''اب آپ بچے کو کہاں لے جائیں گے؟''

''نینی تال!''

''وہاں آپ کا پریوار ہے؟''

''نہیں۔میں اکیلا رہتا ہوں۔''

''اس عمر میں... ایک چھوٹے بچے کو سنبھالیں گے۔میرا مطلب، اس کا باپ .... نہیں ہے کیا؟''

پھر ایک خاموشی۔ ماسٹر جی نے ایک خاموش نظر راہل کی طرف ڈالی جو چپ چاپ کھڑا آسمان کو تک رہا تھا۔

''خیر..... کاغذات تیار ہوتے ہی، آپ کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔''

بوڑھے ماسٹر جی اپنی چھڑی کے سہارے کھڑے ہوئے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے راہل کی طرف بڑھے اور اسے لے کر کمرے سے نکل گئے۔

1.D-

پہاڑی کے پیچھے۔ایک چتا جل رہی تھی۔دور کھڑے ماسٹر جی اور راہل، چتا کو جلتا دیکھ رہے تھے۔

2۔

ایک بنگلے میں، پانچ سالا ایک بچی منی،ایک کتے کے پلے سے ڈر کے ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔اور پلہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔وہ ڈر کر ڈائننگ ٹیبل پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔پلہ بھی اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔یہ دیکھ کر اس نے چلانا شروع کر دیا۔''رنگی ... رنگی ویدی...''

آواز سن کر ایک دس بارہ برس کی لڑکی اس کے قریب آئی اور اسے سہا ہوا دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''کیا ہوا...؟''

''اسے ہٹاؤ...اسے.... ہٹاؤ!''

رنگی نے جا کر کتے کے بچے کو بڑے پیار سے گود میں لے لیا۔

''کون لایا اسے؟''

''پاپا لائے ہیں۔''

''اتنے چھوٹے سے کتے سے ڈرتی ہو۔''

''نہیں... میں نہیں ڈرتی۔''

''نہیں ڈرتی تو... دیکھو ابھی...''

رنگی نے دو قدم آگے بڑھایا منی کو ڈرانے کے لیے۔منی ڈر کے پیچھے ہٹی تو اس کی ٹکر سے گلدستہ نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔منی نے گھبرا کر رنگی کو دیکھا۔

3۔

ڈی۔ کے اپنے آفس میں، کسی بلڈنگ کے ماڈل کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے بات کر رہا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی۔

''اس پوائنٹ سے لے کر اس پوائنٹ تک ریمپ کا پرونیوجن کرنا چاہیے تھا۔ کہاں ہے وہ؟''

فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ ڈی۔ کے۔ نے فون اٹھایا۔ دوسری طرف دونوں بچیوں کے جھگڑنے کی آواز آ رہی تھی۔

''دھیرے بولو بیٹے، کیا بات ہے؟... ہاں! ممی کہاں ہیں؟... کیا، کتا تنگ کر رہا ہے؟ ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، میں ان کے پہنچنے سے پہلے ہی پہنچ جاؤں گا۔ آیا بیٹے۔''

ساتھ بیٹھے ساتھیوں نے جو مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔ ایک نے کہا۔

''میری بیوی کو کتوں سے بہت پیار ہے۔''

''ہاں... میری کو بالکل نہیں ہے۔''

4۔

ڈی۔ کے۔ کی بیوی اندو ڈھیر سارا سامان خرید کر گھر پہنچی اور ڈائننگ ٹیبل پر سارا سامان رکھ دیا۔ سامنے صوفے پر ڈی۔ کے۔ اور دونوں بچیاں بیٹھی تھیں۔ اندو خود ہی بڑبڑ کر رہی تھی۔

''اس ٹریفک میں جانا پڑ جائے، چار بجے سے نکلی ہوں۔''

ساتھ ہی بیگ میں سے کچھ نکال رہی تھی۔

''یہ تو تم لوگوں کی قلم پینسل آ گئی ہے۔''

ڈائننگ ٹیبل کو دیکھ کر۔

''یہاں کا گلدان کہاں گیا؟... کس نے اٹھایا؟... عبدل ذرا پانی دینا۔''

صوفے پر تینوں باپ بیٹیاں بالکل خاموش تھے۔ انھیں ایسے چپ دیکھا۔

اتنے میں عبدل پانی لے کر آیا۔ پانی پینے کے بعد عبدل سے ہی پوچھا۔

''یہاں کا گلدان کہاں گیا؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''اس گھر میں، کسی کو کچھ معلوم ہی نہیں رہتا، ہے ناں!''

پھر ڈائننگ ٹیبل پر سے سارا سامان اٹھا کر اپنے کمرے میں اوپر جانے لگی تو بڑی بیٹی رنکی قریب آئی۔

''یہ لو تمھاری کاپی۔''

ڈائننگ ٹیبل پر پھر نظر گئی تو پوچھا۔

''یہاں نیکلیس کس نے رکھا؟... اور یہاں کا فوٹو فریم؟... کہاں گیا؟... بیلا.... وہ بیلا، جب دیکھو غائب رہتی ہے، گھر میں قدم ہی نہیں نکلتا اس کا...''

بڑبڑاتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ پھر پلٹ کر صوفے پر باپ بیٹیوں کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔

''آپ لوگ اتنے چپ چاپ کیوں بیٹھے ہیں؟''

منّی ہنس پڑی۔ رنکی نے روکا۔ ڈی۔ کے۔ نے جواب دیا۔

''لو۔ گھر میں چپ چاپ نہیں بیٹھ سکتے، شرافت سے۔''

منّی کی پھر ہنسی چھوٹی۔

''ہوں! آپ لوگوں کی شرافت، میں خوب جانتی ہوں۔''

کہتے کہتے وہ بیڈروم کے دروازہ پر پہنچ گئی۔ منّی نے ڈی۔ کے۔ سے آہستہ سے کہا۔

''پاپا۔ ہم لوگوں کی چوری ابھی پکڑی جائے گی۔''

ڈی۔ کے۔ تیزی سے اٹھا اور کہنے لگا۔

''اوہ... اندو... بیڈروم میں جا رہی ہو۔ کیا؟''

اندو وہیں رک کر پلٹی۔

''تو...''

''منہ دھونے جا رہی ہو؟''

''کیوں؟''

''میں نے سنا ہے، زیادہ منہ دھونے سے اسکن خراب ہو جاتی ہے۔''

''اوہو۔ کہاں سنا؟''

''وہ... بنّی کہہ رہی تھی۔''

''میں نہیں کہہ رہی تھی.... وہ.... وہ دیدی کہہ رہی تھی۔''

''میں کہاں کہہ رہی تھی.... وہ..... وہ میں نے ریڈیو پہ سنا تھا۔''

''تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟''

اندو کمرے کی طرف مڑی۔ بنّی نے دھیرے سے کہا۔

''پاپا... اب تو پھنس گئے۔''

''ہاں... !''

تبھی ایک شور سنائی دیا۔ کتے کے پلے کی بھونکنے کی اور اندو کے چلانے کی۔ سیڑھیوں سے پلہ نیچے کی طرف بھاگ رہا تھا اور پیچھے پیچھے اندو چلاتی ہوئی۔

''ڈی۔ کے۔ بھگاؤ اس کو... کون.... کون لایا اس کو.... لایا کون.... میں پوچھتی ہوں لایا کون؟''

پلہ بھاگ کر دوسری طرف نکل گیا۔ اور اندو غصہ میں ان تینوں کے پاس پہنچی۔ ڈی۔ کے۔ سے پوچھا۔

''لایا کون اسے؟''

''ہوں...''

''میں پوچھ رہی ہوں لایا کون تھا اسے؟''

ڈی۔ کے۔ کے پیچھے دونوں بچیاں چھپ رہی تھیں۔

''چھو بھو ئی... چھوڑ دو نا۔

ڈی۔ کے۔ نے پلے کو اٹھایا اور ڈائننگ ہال کے باہر نکل گیا۔ اندو غصے میں بڑبڑا رہی تھی۔

''مجھے معلوم تھا۔''

منی نے ماں سے کہا۔

''ممی... ممی... رکھ لو اسے۔''

''چپ کر۔''

5۔

رات کے وقت۔ ڈی۔ کے۔ اپنے بستر پہ لیٹے کچھ پڑھ رہا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑی اندو اپنے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی اور بڑبڑاتی جا رہی تھی۔

''ایک فوٹو فریم توڑا، ایک فلاور پوٹ توڑا، پردہ پھاڑا.... یہ تو پہلے دن کا کمال تھا۔ تھوڑے دنوں میں تو پورے گھر کو اجاڑ کے رکھ دے گا۔ رکھے گا کون سنبھال کے؟''

''پٹہ باندھ کے رکھ لیں گے۔''

''کوئی ضرورت نہیں۔ کہا کس نے لانے کو، بیلا بھی نہیں ہے۔ جب دیکھو غائب رہتی ہے۔ میں اس کتے کو نہیں رہنے دوں گی۔ کہہ دیتی ہوں میں۔''

ڈی۔ کے۔ کی طرف دیکھا، جو پرانے قسم کا چشمہ لگا رکھا تھا۔

''کتنی بار کہا ہے یہ چشمہ اتار کے پھینکو۔''

''تو پڑھوں گا کیسے؟''

''پورے چپراسی لگتے ہو۔''

اندو نے ڈی۔ کے۔ کے قریب جا کر اس کی آنکھوں سے چشمہ نکال کر رکھ دیا۔

''یہ کیا؟...''

''پیٹھ کا درد کیسا ہے؟''

''ابھی تو ٹھیک ہے۔ ایک سائیٹ پہ دو تین گھنٹے کھڑا رہا۔''

''لاؤں دوں۔''

ڈی۔ کے۔ الٹا ہو گیا۔ اور اندو اس کی پیٹھ دبانے لگی۔

''کیا ضرورت ہے اتنا کام کرنے کی؟''

''تمھارے لیے، تمھارے بچوں کے لیے، کرتا ہوں کام۔''

ڈی۔ کے۔ نے پیار سے کہا۔ اندو ہنس پڑی اور ایک چپت پیٹھ پر لگا دی۔

''کام کرنے کا شوق ہے تمھیں۔ سب کچھ تو ہے ہمارے پاس۔''

''سب کچھ تو نہیں ہے۔''

''کیا نہیں ہے؟''

''ہیروں کا ہار نہیں ہے۔''

''کسے چاہیے ہیروں کا ہار؟''

''اوہو.... کانتا کے ہار کو اتنی للچاتی نظروں سے کیوں دیکھ رہی تھی؟''

''ہوں! میں تو اس لیے دیکھ رہی تھی، کتنا بھدا ہار پہنے ہوئے تھی۔''

ڈی۔ کے نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''چلو ہار نہیں.... پتی تو اس کے ہی طرح کا چاہیے۔''

''کوئی کوہ نور لا کے دے، پھر بھی سوری صاحب جیسا پتی نہیں چاہیے۔''

''تو کیسا پتی چاہیے؟''

ڈی۔ کے۔ نے جھک کر پوچھا۔

''ہے ناں میرے پاس۔''

''ہے تو۔ سہی۔ لیکن کبھی تعریف بھی کیا کرو۔''

ڈی۔ کے۔ اندو کی بغل میں لیٹ گیا۔

''اندو..... ایک بات کہوں.... اس پتی کو بھی.....''

اندو، ڈی۔ کے۔ کے ارادے کو سمجھ کر اٹھ بیٹھی ہنستے ہوئے۔

''چالاک۔ بندر۔''

اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

6۔

صبح کے وقت، ڈی۔ کے۔ اور بچیاں سبھی تیار تھے، اور ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ کر رہے تھے۔ بچے دودھ پی رہے تھے۔ منی دودھ میں سے ملائی نکال رہی تھی۔ اسے پسند نہیں تھی۔

''چھی....... میں نہیں پیتی اس میں ملائی ہے۔''

ڈی۔ کے۔ کی ٹائی اندو ٹھیک کر رہی تھی۔

''کوئی ملائی ولائی نہیں، دودھ پیو اپنا۔''

اندو ٹائی ٹھیک کر رہی تھی اور ڈی۔ کے۔ کافی کا کپ اٹھانا چاہ رہا تھا۔

''ہاتھ نیچے رکھونا۔''

''ہاتھ نیچے رکھوں تو کافی کیسے پیوں گا؟''

''تو وہ ہاتھ یوز کر دنا۔''

منی نے کہا۔

''پپی۔ پاپا کا نام رکھ دونا۔''

رنکی نے چڑایا۔

''اسٹوپڈ، پاپا۔ پپی کا نام رکھ دو۔''

''یو اسٹوپڈ۔''

دونوں لڑنے لگیں۔ اندو نے ڈانٹا۔

''صبح صبح تم دونوں لڑو مت۔''

اندو ابھی تک ڈی۔ کے۔ کی ٹائی ٹھیک کر رہی تھی۔

''کافی پینے دو نا۔''

منی سمجھ نہیں پائی کہ پاپا نے کسے کہا۔ بول پڑی۔

''نہیں..... وہ دودھ پیتا ہے۔ کافی نہیں۔''

''میں بھی..... پاپا کی بات کر رہا ہوں۔''

''نام رکھو نا اس کا۔''

رنگی نے کہا۔

''اسٹوپڈ۔''

''وہ بھی کوئی نام ہوتا ہے؟''

ڈی۔ کے۔ نے کافی کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

''منی رکھنے سے گڑبڑ ہو جائے گی۔ کتے کو بلائیں گے تو آپ دوڑی آئیں گی۔
آپ کو بلائیں گے تو کتا دوڑا آئے گا۔''

ڈی۔ کے۔ ڈائننگ ٹیبل سے اٹھا۔ پاس رکھا کوٹ اٹھایا۔ اندو کچن میں کھڑی تھی بولی۔

''جب رکھیں گے ہی نہیں، تو نام ڈھونڈنے سے کیا فائدہ؟''

ڈی۔ کے۔ اور بچیاں ہال سے نکل کر باہر جا رہے تھے۔ ڈی۔ کے۔ بچیوں کو اسکول چھوڑتا ہوا آفس جاتا تھا۔ اندو نے پیچھے آتے ہوئے پوچھا۔

''آپ لوگوں نے اپنے اپنے وٹامنس لے لیے نا؟''

تینوں نے پلٹ کر اندو کو دیکھا۔ ڈی۔ کے۔ نے پوچھا۔

''لے لیا نا؟''

اندو نے کہا۔

''میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔''

''ہاں... لے لیے۔''

پاس کھڑی منی نے اپنی ہتھیلی کھولی جس میں وٹامن کی گولی تھی۔ جو پاپا کی تھی۔

''پاپا۔آپ جھوٹ بولتے ہو۔''

ڈی۔ کے۔ نے جھٹ سے گولی اٹھالی اور منہ میں ڈال لی۔اور بغیر پانی کے نگل گیا۔ بچے ہنس پڑے۔اندو نے کہا۔

''شام کو،سوری صاحب کی پارٹی پہ جانا ہے۔بھولنا نہیں۔''

بچیاں ماں کو بائے بائے کہتے کار میں بیٹھ گئیں۔ڈی۔ کے۔ڈرائنگ سیٹ پر۔اندو کھڑی دیکھتی رہی جب تک کار گھر کے باہر نہیں نکل گئی۔

7۔

سوری صاحب کا بنگلہ،شام کا وقت،سوری صاحب کے بنگلے میں پارٹی چل رہی تھی۔سبھی لوگ ہاتھوں میں گلاس لیے شغل فرما رہے تھے۔مرد عورتیں سبھی شامل تھے۔ ایک خوشنما ماحول سجا تھا۔سوری صاحب اپنے دوستوں سے گھرے کچھ سنا رہے تھے۔

''ایک لکڑی کا حودا،جس میں گرم گرم پانی ہوتا ہے۔اس میں آپ کے ہوسٹ اور ان کی بیوی اور آپ آدم زاد ننگے۔گرم گرم پانی اور مالشے۔کبھی ادھر گدگدی۔کبھی ادھر گدگدی۔''

سبھی سن کر ہنس رہے تھے اور کہانی کا مزہ لے رہے تھے۔اسی وقت سوری صاحب کی پتنی نے آکر کان میں کچھ کہا۔سوری صاحب نے مہمانوں سے ایسکیوز کیا۔

''ایک منٹ۔''

اور دوسری طرف چل دیے۔

ڈی۔ کے اور اندو ساتھ ساتھ پارٹی میں آئے۔اندو نے ڈی۔ کے۔کی ٹائی کو دیکھ کر کہا۔

''ٹائی تو ٹھیک کرو۔''

''ٹھیک تو ہے۔''

سوری صاحب اور ان کی پتنی نے انھیں ریسو کیا۔

''ارے.... اوہ.... لیٹ لطیف.... تو آ ہی گیا۔''

دونوں دوست گلے ملے۔ پتنیاں بھی ایک دوسرے سے ملیں۔ دونوں دوست ایک ساتھ آگے بڑھے تو اندو نے پیچھے سے آواز دی۔

''سوری صاحب ایک منٹ۔ سنو جی زیادہ شراب نہیں پینا۔''

سوری صاحب نے کہا۔

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دو ہی پیگ میں ٹن ہو جاتے ہیں۔''

دونوں دوست نے ایک ساتھ کہا۔

''نو ڈرنکنگ ٹو ڈے۔''

اندو نے پتی کا ہاتھ پکڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''سب کچھ لیمٹ میں ڈی۔ کے۔ سمجھے۔''

''بالکل لیمٹ میں۔''

دونوں عورتیں دوسری طرف چل دیں۔ دونوں دوست آگے بڑھ گئے۔ پھر رک کر سوری صاحب نے شرارتی لہجے میں کہا۔

''پہلے ایک پٹیالہ۔ پھر...''

ویٹر کو آواز دی۔

''ایک شمپین دو صاحب کو۔''

ویٹر آ گیا۔ ڈی۔ کے۔ بولا۔

''پٹیالہ بعد میں...''

عورتوں کے جھنڈ میں اندو نے سوری کی پتنی سے کہا۔

''اتنے لوگ ہوں گے۔ اندازہ ہی نہیں تھا۔''

''بس۔ ایسے ہی۔''

سوری صاحب کئی لوگوں سے ڈی۔ کے۔ کو ملوا رہے تھے۔ ان میں کچھ خاص

تھے۔اور ڈی۔ کے۔کو سمجھا رہے تھے۔

''ڈی۔ کے۔کانٹیکیٹ مینس کانٹیکیٹ۔کام کی باتیں کرو۔جس سے ملو۔''

پارٹی میں ایک فلم پروڈیوسر اور ڈائرکٹر بھی تھے۔جنھیں کچھ عورتیں گھیرے کھڑی تھیں۔یہیں پر اندوا اور سوری صاحب کی بیوی بھی تھی۔سوری صاحب کا بیٹا جو آٹھ دس برس کا تھا۔ماں کے پاس آیا۔

''بیٹے... یہ انکل ہے ناں فلم بناتے ہیں۔وہ شعلے کے ڈائیلاگ ہیں نا سنا دوناں۔''

سوری صاحب کا بیٹا بغیر جھجک کے سنانے لگا۔

''کتنے آدمی تھے؟

سرکار دو۔اور تم تین۔پھر بھی خالی ہاتھ لوٹ آئے۔''

سوری کی بیوی نے پروڈیوسر سے کہا۔

''اچھا بول لیتا ہے نا۔''

اندوآگے ہو کر ایک اور عورت سے ملی۔جسے وہ جانتی تھی۔دونوں گلے ملے۔

''ہیلو چندا۔''

''ہائے۔''

''تم پرسوں فون کرنے والی تھی؟ کیا ہوا؟''

''کیا کرتی کام میں بزی ہو گئی تھی۔''

چندا نے اپنے پرس سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور جلا کر پینے لگی۔

''جب دیکھو، کام میں لگی رہتی ہو۔تم تو چھوڑنے والی تھی سگریٹ۔''

''کل سے۔''

''کل سے۔''

دونوں آگے بڑھ گئیں۔دوسری طرف سوری صاحب ڈی۔ کے۔کو اپنے دوستوں سے ملاتے ہیں۔اندوا اور چندا، سوری صاحب کی بیوی سے ملیں۔سوری کی بیوی

نے اندو کے جھمکے کو دیکھ کر کہا۔

''ہائے... یہ تو وہی ہیں، جو شینل کی پارٹی میں پہنے تھے۔ بہت سندر ہیں۔''

چندا نے پوچھا۔

''شاردا نہیں آئی ؟''

''بلایا تو تھا۔ لیکن اس کی حالت تو تم جانتی ہی ہو۔''

''ایڈیٹ۔ جب دیکھو روتی ہے۔ وہ بھی ہسبنڈ سے منہ چھپا کے۔ نہ لڑ کر پروٹسٹ کرتی ہے اور نہ روکر۔''

''مطلب... ؟''

پارٹی کا رنگ دھیرے دھیرے اور رنگین ہونے لگا۔ سبھی انجوائے کر رہے تھے۔ ایک طرف ڈی۔ کے اور سوری صاحب بھی ایک ایک پیگ لیے ہوئے، پرانی باتیں یاد کرتے ہوئے۔

''ہائے... ہائے... اس زمانے' میں، یاد ہے تجھے ڈی۔ کے۔ ... تیری تو اتھیلیٹک لیزم اور میرا شاعرانہ پن، اس پر کتنی لڑکیاں مرتی تھیں۔''

ایک کونے میں اندو اور چندا باتیں کر رہی تھیں۔

''میجر صاحب سے کچھ بات ہوئی....''

''کچھ نہیں.... وہ سب بھول جا۔''

''تم بھول گئیں کیا؟''

''کیوں فکر کرتی ہو، ٹھیک تو ہوں۔ ٹھیک نہیں لگ رہی۔''

چندا کا ماضی تھا جو اندو اور چندا ڈسکس کر رہی تھیں۔

سوری صاحب مستی میں شاعری کر رہے تھے۔ دوست انجوائے کر رہے تھے۔

''انگڑائی نہ لے، ہاتھوں کو اٹھا کر۔ سینے سے تیرے دیکھ، دوپٹہ نہ ڈھلک جائے۔''

ڈی۔ کے۔ بول پڑا۔

''واہ.... واہ....''

''یار تجھے یاد ہے، ایک غزل تھی۔''

''حضور اس قدر، اترا کے بھی نہ چلیے۔''

''ہو جائے۔ یو اسٹارٹ۔''

''یس!''

گلے کو صاف کرتے ہوئے ڈی۔ کے۔ نے کہا۔

''یار سوری۔ ایسا ہے میرا ذرا گلا خراب ہے۔''

''نخرے..... ہوں۔''

''نہیں.... نہیں.... یو اسٹارٹ۔ یو روائز از بیٹر وائز۔''

''آئی گو ٹو بیٹر وائز۔''

''ایسا کر تو شروع کر۔ میں جوائنٹ کرتا ہوں۔''

''آ..............''

''ایسے نہیں...... آلاپ کے ساتھ۔''

اور سوری نے سر کو پکڑا۔ لگا گنگنانے۔

''آ .... آ ....''

ڈی۔ کے بھی شروع ہو گیا۔

حضور اس قدر نہ اترا کے چلیے
کھلے عام آنچل نہ لہرا کے چلیے
کوئی منچلا گر پکڑ لے گا آنچل
ذرا سوچیے آپ کیا کیجیے گا

لگا دے اگر بڑھ کے زلفوں میں کلیاں
تو کیا اپنی زلفیں جھٹک دیجیے گا
حضور اس قدر نہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بڑی دلنشیں ہے ہنسی کی یہ لڑیاں
یہ موتی مگر یوں نہ بکھرایا کیجیے

اڑا کے نہ لے جائے جھونکا ہوا کا
لچکتا بدن یوں نہ لہرایا کیجیے
حضور اس قدر نہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بہت خوب صورت ہے ہر بات لیکن
اگر دل بھی ہوتا تو کیا بات ہوتی
لکھی جاتی پھر داستان محبت
اک افسانے جیسی ملاقات ہوتی
حضور اس قدر نہ اترا کے چلیے!

8۔

سرکاری ہسپتال کے گراؤنڈ میں ایک ایمبولینس آ کر کھڑی ہوئی۔ دور کوریڈور میں اندو بہت تیزی سے اندر کی طرف جا رہی تھی۔ سامنے سے چندا آتی ہوئی اسے مل گئی۔ جو شاردا کے پاس سے آئی تھی۔ شاردا دونوں کی سہیلی تھی۔ اندو نے پوچھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟''

''پتہ نہیں۔''

دونوں ساتھ ہی شاردا کے کمرے میں پہنچے۔شاردا کو گلوکوز چڑھایا جارہا تھا۔اس کی آنکھیں بند تھیں۔دونوں اس کے بیڈ کے قریب جاکر کھڑی ہوگئیں۔اندو نے پکارا۔

''شاردا....''

شاردا نے آنکھیں کھولیں،،،انھیں دیکھ کر رو پڑی۔اندو نے تسلی دی۔

''بس... بس...''

چندا کو شاردا کی یہ حالت دیکھی نہیں جارہی تھی۔وہ غصہ سے بولی۔

''کیا ملا تمھیں، نیند کی گولیاں کھا کے؟... کچھ حل ہوا نہیں۔ اگر کچھ کرنا ہی تھا، تو اپنے پتی کو نیند کی گولیاں کھلا دیتی۔یا تو اس کو، جو اس نے دوسری رکھ لی ہے۔تمھارے مرنے سے، تمھیں کیا ملے گا؟...''

''چپ کرو چندا۔یہ کوئی وقت ہے ایسی بات کرنے کا؟''

شاردا کو اندو چپ کراتی رہی۔تبھی شاردا کے پتی کمرے میں آگئے۔اسے دیکھ کر چندا نے کہا۔

''آگئے... ہو... اب کیا لینے آئے ہو؟...اس حد تک لے آئے ہو شاردا کو... اب کیا کرنا چاہتے ہو؟''

اندو نے سمجھانا چاہا۔

''چپ کرو چندا۔''

''تم چپ رہو۔کیوں چپ رہوں، کسی کو تو بولنا پڑے گا۔شاردا کی طرح سب چپ بیٹھ جائیں..... یہ جناب جو مرضی آئے کرتے رہیں۔''

''چلو چندا.... ہم چلتے ہیں۔''

اندو نے چندا کا ہاتھ پکڑا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔شاردا کے پتی چپ چاپ کھڑے رہے۔نرس اپنا کام کرتی رہی۔کمرے سے باہر نکل کر اندو نے غصہ سے چندا کو ڈانٹا۔

''کچھ سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔''

''اگر تمھارے ساتھ ہوا ہوتا تو، تم سوچ سمجھ کے بات کرتی کیا؟''

چندا غصہ میں کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ اندو ایک لمحہ کے لیے چپ چاپ اسے جاتے دیکھتی رہی۔

-9

رات کے وقت، ڈی۔ کے اپنے کمرے میں بستر پر الٹا لیٹا ہوا تھا اور اندو اس کی پیٹھ دبا رہی تھی۔ دونوں لڑکیاں وہیں کھیل رہی تھیں۔ اندو، شاردا کے بارے میں بتا رہی تھی۔

''نیند کی گولیاں کھا لینے سے مشکل تھوڑے ہی حل ہو جاتی ہے۔''

''اس کا ہسبنڈ بھی پاگل ہے۔ بال بچے ہوتے ہوئے، کیسے بھٹک جاتے ہیں؟.... شادی کی ذمہ داری اٹھائی جاتی نہیں تو، شادی کیوں کر لیتے ہیں؟''

دونوں بچیاں ان کے پاس آ گئیں۔ منی ممی کی پیٹھ پر چڑھ کر جھولنے لگی۔ اور سوال کیا۔

''ممی، میں منی نہ ہوتی تو...؟''

''تو منی کی جگہ منا ہوتا۔''

''میرا بھیا۔''

رنکی نے چڑھایا۔

''تمھارا نہیں، میرا بھیا۔''

''کیوں، میرا بھی تو ہوتا۔''

''اسٹوپڈ، تم تو پیدا ہی نہیں ہوتی۔ تمھارا کیسے ہوتا؟''

''یو اسٹوپڈ۔''

ڈی۔ کے۔ نے ٹوکا۔

''بڑی دیدی سے ایسے نہیں کہتے۔''

''تو چھوٹی دیدی سے ایسا کہتے ہیں؟''

رنگی اسے مارنے لپکی۔ منی ماں کو چھوڑ کر بھاگی۔ آگے منی، پیچھے رنگی۔ منی پلنگ کے چاروں طرف دوڑ رہی تھی۔ اندو نے منی کو بچانے کے لیے گود میں اٹھالیا۔

''بس... بس... اب جھگڑا نہیں۔''

رنگی نے کہا۔

''چل... ''

''جاؤ... جاؤ اپنے کمرے میں۔''

دونوں بچیاں چلیں گئیں۔ ڈی۔ کے ابھی تک ویسے ہی الٹا لیٹا کتاب پڑھ رہا تھا۔ اندو نے بچیوں کو جاتے دیکھا پھر ڈی۔ کے۔ کی طرف دیکھا۔ ایک خوشحال پریوار تھا۔ وہ مسکرانے لگی اور پھر ڈی۔ کے۔ کی پیٹھ دبانے لگی۔

''اندو.... اگر تمھارا ایک منا ہوتا تو.... ؟''

''ایک ہے نا۔''

''کہاں ہے... ؟''

ڈی۔ کے۔ حیرت سے پلٹا۔ اندو نے مسکراتے ہوئے اس کے بالوں کو پیار سے پکڑ کے کہا۔

''یہ ہے نا... ''

''یو آر لکی۔''

''کیوں... ؟''

''تمھارا تو ہے۔ میرا نہیں۔''

-10

پہاڑوں کی گھاٹی دور تک پہاڑی سلسلہ چلا گیا تھا۔ بیچ میں ایک چھوٹا سا گاؤں۔ گاؤں کے پوسٹ آفس میں وہی بوڑھے ماسٹر جی راہل کے ساتھ آئے تھے۔ اور پوسٹ ماسٹر سے پوچھ رہے تھے۔

''ہری بھائی، تم بتاتے بھی نہیں کہ ہماری چٹھی کا کوئی جواب آیا بھی کہ نہیں؟''

''جواب آتا تو، ترنت پہنچ جاتا ماسٹر جی۔ آپ اتنی چنتا کیوں کرتے ہیں؟''

''چنتا تو ہے نا بیٹا، اس لڑکے کے لیے۔ میرا کیا بھروسہ، اس بارا سے تار بجھوا دو۔''

ماسٹر جی نے ایک کاغذ نکال کر پوسٹ ماسٹر کو دیا۔

''آپ اپنا ٹھیک سے علاج کروائیے ماسٹر جی۔''

''بڑھاپے کا کوئی علاج ہوتا ہے ماسٹر جی؟''

''ماسٹر جی آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟''

''جاؤ جلدی سے تار بجھوا دو۔''

پوسٹ ماسٹر ڈاک خانہ میں گیا۔ اور ماسٹر جی راہل کو کھیلتے دیکھنے لگے۔

11۔

اندو کوئی چٹھی پڑھتے ہوئے، سیڑھیوں سے اوپر اپنے بیڈ روم میں آئی، جہاں ڈی۔ کے۔ آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اندو نے بتایا۔

''ٹیلی گرام ہے۔''

''کس کا؟''

''گرو دیال سنگھ کا۔''

''دیال سنگھ۔ نینی تال سے؟''

''ہوں۔ ضروری کام ہے، فوراً آجاؤ۔''

ڈی۔ کے۔ نے ٹیلی گرام لے لیا اور پڑھنے لگا۔

''کون ہے یہ؟''

''ہمارے اسکول کے پرانے ہیڈ ماسٹر.... گرو دیال سنگھ!''

''کوئی خاص بات ہے؟''

''پتہ نہیں۔ پہلے کبھی.... اتنے سالوں سے ملا ہی نہیں۔ آفس سے فون کر لوں گا۔''

کچھ سوچتے ہوئے ڈی۔ کے۔ کمرے سے نکلا۔

-12

ڈی۔ کے۔ آفس میں بڑی تیزی سے داخل ہوا۔ آفس کی سیکریٹری اس کے پاس آئی۔

''سر.... دھون صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''وہ آگئے؟''

''ہاں... بنسل صاحب کے ساتھ آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں۔''

''ہوں.... یہ نینی تال کا نمبر ہے۔ ایک ٹرنک کال بک کرو۔ ارجنٹ ہے۔''

''او کے سر۔''

-13

مسٹر دھون، کچھ بلڈنگوں کے ڈیزائن بنسل صاحب کو دکھا رہے تھے۔

''دز از دا انٹرنیشنل ٹریڈ سینٹر اور یہ ایک ایمبسی ہے، اور یہ وہی نیل کمل کی بلڈنگ جس کی آپ بات کر رہے تھے۔ یہ رہے اس کے ڈیزائن۔''

ڈی۔ کے۔ کمرے میں داخل ہوا۔ دھون صاحب نے ڈی۔ کے۔ اور بنسل کا آپس میں تعارف کرایا۔

''آؤ ڈی۔ کے۔، تمھارا ہی انتظار تھا۔ یہ بنسل جی اور یہ ڈی۔ کے۔ ملہوترا۔ آؤ بیٹھو ڈی۔ کے۔ ہی از مائی برالسٹ آرکیٹکٹ۔ ڈی۔ کے۔، بنسل صاحب ایک بلڈنگ کامپلکس بنوانا چاہتے ہیں۔ بنسل بھون۔ یہی نام ہے نا۔''

''ہوں...''

''اور یہ چاہتے ہیں ہم انھیں ایک پروپوزل دیں۔ پہلا پریزینٹیشن تو تمھیں

کرو گے۔ میں انھیں نیل کمل بلڈنگ کے ڈیزائن دکھا رہا تھا۔''

کچھ سوچ کر دھون نے کہا۔

''ڈی۔ کے۔ تمھیں سمجھا دو۔''

''جی۔''

14۔

نینی تال کے پوسٹ آفس میں ڈی۔ کے۔ کے ٹرنک کال کو تیواری جی سن رہے تھے۔اور جواب میں ذرا اونچی آواز میں بات کر رہے تھے۔

''جی نہیں گرودیال صاحب تو ریٹائر ہو چکے ہیں۔''

''ان کا فون نمبر دے دیجیے۔''

''آپ کون بول رہے ہیں؟''

''میں ڈی۔ کے۔ بول رہا ہوں دلی سے۔ مجھے گرودیال جی کا تار ملا تھا۔''

''آپ ڈی۔ کے۔ ملہوترا بول رہے ہیں؟''

''جی ہاں.... جی ہاں آپ کون ہیں؟''

''جی حضور۔ میرا نام تیواری ہے۔''

''تیواری...''

''میں نے ہی آپ کو تار بھیجا تھا۔ ایک چٹھی بھی لکھوائی تھی ماسٹر جی نے۔''

''چٹھی تو نہیں ملی مجھے۔ تار ملا تھا۔ تیواری جی، کیا کام تھا ماسٹر جی کو؟''

''کام بہت پرسنل تھا...''

فون کی لائن میں گڑبڑ ہوئی۔ ڈی۔ کے۔ نے پکارا۔

''ہیلو.... ہیلو....''

''ہیلو...''

''کیا کام ہے ماسٹر جی کو؟''

''آپ ڈی۔ کے۔ ماہیشوری بول رہے ہیں نا؟''

''جی ہاں... میں ڈی۔ کے۔ ہی بول رہا ہوں۔ کیا کام تھا؟''

''وہ کہتے ہیں آپ نینی تال آ کے، اپنے بیٹے....''

''ہیلو.... ہیلو.... کیا کہتے ہیں وہ؟''

''وہ کہتے ہیں، وقت ان کے پاس بہت کم ہے۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، وہ کہتے کیا ہیں؟''

''وہ کہتے ہیں، آپ اپنے بیٹے کو یہاں سے لے جایئے۔''

''بیٹے کو..... کس کے بیٹے کو؟''

یہ سن کر ڈی۔ کے۔ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ ایک بے چینی سی جھلک رہی تھی۔

''تیواری جی... میرا کوئی بیٹا نہیں۔ کیا بات کر رہے ہیں....''

فون لائن میں پھر گڑبڑ ہو گئی۔

''ہیلو... ہیلو... ہیلو تیواری جی بات کیا ہے؟.... ماسٹر جی نے اور کچھ بھی کہا

ہو گا۔ بات کیا ہے تیواری جی ہیلو... ہیلو....''

''ان کے پاس ایک لڑکا ہے۔ جب سے اس کی ماں اسے چھوڑ کے گئی ہے۔''

''کون؟... کون؟... چھوڑ کے گئی ہیں۔''

''اس کی ماں.... بھاونا....''

''بھاونا.... بھاونا.... اچھا....''

کچھ سمجھ کر پاس بیٹھی سیکریٹری کو کہا۔

''ایک منٹ...''

سیکریٹری اٹھ کر چلی گئی، کمرے میں ڈی۔ کے۔ اکیلا رہ گیا۔

''ہیلو.... ہیلو.... تیواری جی.... تیواری جی...''

فون کٹ چکا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے ڈی۔ کے۔ نے فون رکھا۔

14۔

رات کے وقت، ڈی۔ کے۔ اپنے بیڈروم میں بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ اندو آئی اور اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی پریشانی ہے؟''

''نہیں؟''

پھر کمرے سے باہر جاتے ہوئے پوچھا۔

''نینی تال کا کال ملا تھا؟''

''ملا تھا۔ وہاں ماسٹر جی تو نہیں تھے کوئی، تیورای جی ملے تھے۔ اندو وہ کہہ رہے تھے کہ....''

کہتے کہتے اچانک رک گیا۔ کچھ سوچ کر سر جھٹکا۔ اندو واپس کمرے میں آ گئی۔

''کیا کہہ رہے تھے؟''

دوسری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''کہہ رہے تھے کہ ماسٹر جی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ کچھ سنائی نہیں پڑا دوسری طرف سے لائن بہت خراب تھی۔ پر یہی کہہ رہے تھے کہ ماسٹر جی کی طبیعت خراب ہے۔''

''تو کچھ پیسے بھیج دو علاج کے لیے۔''

''بات صرف وہ نہیں ہے۔''

ڈی۔ کے۔ کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

''پھر کیا بات ہے؟''

''لیو ئی الون اندو۔ پلیز، بات کچھ اور ہے۔''

اندو، ڈی۔ کے۔ کی پریشانی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ ڈی۔ کے۔ نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''کوئی پرابلم ہے میری۔''

اندو اس کے قریب آ کر کندھوں پر دباؤ ڈال کر بولی۔

''تمھارا ایسا کون سا پرابلم ہے جو میرا نہیں ہے۔''

وہ وہیں بیٹھ گئی۔ اور ڈی۔ کے۔ اس کے زانوں پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔

''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں۔ کوئی آفس کی پرابلم ہے۔''

اندو چپ ہو گئی۔ ڈی۔ کے۔ اپنی سوچ میں کھو گیا۔ ایک خاموشی کمرے میں پھیل گئی۔

15۔

ڈی۔ کے۔ آفس میں بیٹھا ٹیبل پر ایک ڈیزائن ٹھیک کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے فون لیا۔

''ڈی۔ کے۔''

''ہاں میں ہوں۔''

''ہاں بولو اندو۔''

''نینی تال سے ایک چٹھی آئی تھی، پڑھ کے سناؤ۔''

ڈی۔ کے۔ گھبرا گیا۔

''تم نے پڑھ لی۔''

''میں نے کھولی بھی نہیں۔ کھولوں۔''

''نہیں... نہیں... ایسا ہے.... شام کو آ کے گھر پہ پڑھ لوں گا۔ نہیں سنو.... ایسا کرو.... نہیں میں آفس سے پیون کو بھیج دیتا ہوں۔ اس کے ہاتھ میرے پاس بھجوا دو۔ او کے۔''

''او کے۔''

اندو سوچ میں پڑ گئی کہ ایسا کیا ہے اس خط میں۔

ڈی۔ کے۔ اپنے کیبن سے نکلا کچھ جھنجھلایا ہوا، کچھ بے چین۔ سکریٹری کو بھی کچھ کہہ دیا۔ اور اسی جھنجھلاہٹ میں نکل گیا باہر۔ کار میں بیٹھا اور گھر کی طرف چل دیا۔

راستے میں ماسٹر جی کی چٹھی حواسوں میں سوار رہی۔ ماسٹر جی کے لکھے الفاظ اسے چبھ رہے تھے۔

''بیٹے وہ کبھی نہیں چاہتی تھی۔ تمھیں اس بچے کے بارے میں معلوم پڑے۔ جب بچہ پیدا ہوا اور مجھے معلوم ہوا، تو بھاؤنا نے ایک ہی بات کہی تھی مجھے، کہ ڈی۔ کے۔ کو مت بتانا۔ اس کی اپنی زندگی ہے، اپنا پریوار ہے۔''

خیالوں میں اس قدر کھو یا تھا کہ اسے ڈرائیونگ کا بھی احساس نہیں تھا۔ ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ کچھ سنبھلا اور پھر ماسٹر جی کی چٹھی کے الفاظ سرسرانے لگے۔

''اور وہ بچہ نہ ہنستا ہے نہ روتا ہے۔ سارا دن کھڑکی کے باہر دیکھتا رہتا ہے۔ نہ جانے کس کے انتظار میں... اتنی سی عمر میں اس کا بچپن ختم ہوتا جا رہا ہے۔ میں اس عمر میں اسے کچھ نہیں دے سکتا۔ اسے ماں کی ضرورت ہے۔ باپ کی ضرورت ہے۔ اسے ایک پریوار کی ضرورت ہے۔ ڈی۔ کے۔ وہ طرح طرح کے سوال پوچھتا ہے۔ جس کے جواب، میں نہیں، تم دے سکتے ہو۔

ڈی۔ کے۔ میرے پاس زندگی کے کچھ ہی دن باقی ہیں۔ جانے، سے پہلے، تمھارے بیٹے کو تمھارے پاس بھیج دینا چاہتا ہوں۔''

اور اسی ادھیڑ بن میں کے وہ کیا کرے کیا نہ کرے، وہ کار سے چلا جا رہا تھا۔

17۔

ڈی۔ کے۔ کا گھر، منی ٹی۔ وی۔ پر فلم دیکھ رہی تھی۔ اس پر رشی کپور کا گانا چل رہا تھا۔

''اوم.... شانتی، اوم.....''

منی بھی ساتھ ساتھ گا رہی تھی۔ پاس ہی اندو، رنکی کو پڑھا رہی تھی۔ رنکی گانے

کی آواز سے ڈسٹرب ہو رہی تھی۔ غصے سے کہا۔

''منی چپ کرنا۔ منی۔''

''چنٹو انکل کا گانا آرہا ہے.... اوم.... شانتی اوم۔''

رنکی نے ماں سے شکایت کی۔

''ممی اسے چپ کراؤنا۔''

''آپ اِدھر دھیان کرو نا۔''

''اُف....''

منی گائے چلی جا رہی تھی۔ حساب کے کسی پرابلم پر اندو نے کہا۔

''اس کا کیا کریں گے؟''

''یہی تو معلوم نہیں ہے، وہی تو پوچھ رہی ہوں آپ سے۔ اوفو.... یہ...''

''منی... ٹی۔ وی بند کرو۔''

''ممی چنٹو ماما کا گانا آرہا ہے۔ شانتی... اوم شانتی۔''

''چنٹو تمھارا ماما لگتا ہے؟''

اندو نے غصہ میں اٹھ کر ٹی۔ وی۔ بند کر دیا۔ منّی ضد کرنے لگی۔

''ممی.... پلیز چنٹو ماما کا گانا آرہا ہے۔''

لیکن اندو نے نہیں سنا اور آ کر رنکی کو پڑھانے لگی۔

اسی وقت، ڈی۔ کے۔ گھر میں آیا تھکے قدموں سے بجھا سا، خیالوں میں گھرا۔

اندو نے اسے دیکھ کر کہا۔

''اوہ.... ڈی۔ کے۔ آ گئے تم۔''

منی بھاگ کر پاپا کے پاس آکر ممی کی شکایت کرنے لگی۔

''پاپا، چنٹو ماما کا گانا آرہا تھا۔ ممی نے ٹی۔ وی۔ بند کر دیا۔''

''کون چنٹو ماما؟''

''اوفو.... تم نہیں جانتے.... وہ....''

رنکی بھی آ گئی اور کہنے لگی۔

''پاپا، مجھ کو یہ سم نہیں آتا آپ پلیز بتایئے۔''

بچوں کے سوال ڈی۔ کے۔ کو اور پریشان کر رہے تھے۔ اس نے اندو سے کہا۔

''اندو سنبھالو انھیں۔''

''تم آ گئے۔ چائے پیو گے؟''

''ہاں..... چینی کم ڈالنا۔''

اندو اس کے ہاتھ سے بیگ لے کر چائے بنانے چلی گئی۔ ڈی۔ کے۔ بچوں کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

18-

ڈی۔ کے۔ اپنے کمرے میں اداس بیٹھا تھا۔ اندو کچھ کہتے ہوئے اندر آئی۔

''ڈی۔ کے۔، رنکی کا حساب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میتھس میں وہ بہت کمزور ہے۔ کہیں وہ موٹی فرسٹ آ گئی تو..... تو تم ہی پڑھایا کرو۔ رنکی کو۔''

اندو بستر ٹھیک کر رہی تھی اور کہے جا رہی تھی۔ ڈی۔ کے۔ اپنی پریشانی میں کچھ بھی نہیں سن پایا۔ کچھ سوچتے ہوئے ڈی۔ کے۔ نے کہا۔

''اندو..... میں تمھیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔''

''کیا ہے وہ...؟''

''تمھیں اچھا نہیں لگے گا۔''

''کیا بات ہے...؟''

''رہنے دو۔ پھر کبھی بتا دوں گا۔''

اندو ایک پل کو سوچ میں پڑ گئی۔

''کچھ نہیں بس.....''

''پلیز ڈی۔ کے۔ سو چامت کرو۔''

ایک خاموشی دونوں کے بیچ چھا گئی۔

''کیا بات ہے؟''

''...... د...... میری زندگی میں ایک اور لڑکی آئی تھی۔''

''ایسی باتیں مذاق میں بھی نہیں کرتے۔''

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔''

اندو ڈر گئی۔ اس کے چہرے پر خاموشی لہرانے لگی۔

''میں مذاق نہیں کر رہا۔ جب میں گیا تھا۔ وہاں...''

''کہاں....؟''

''نینی تال..... اولڈ بوائز کے فنکشن میں۔''

''وہ جب رنکی پیدا ہونے والی تھی؟''

اندو جیسے کچھ یاد کرنے لگی۔

''ہاں..... تب وہ مجھے وہاں ملی تھی۔''

''کون...؟''

''بھاؤنا.... وہ لڑکی.... اندو وہ، مجھے معلوم نہیں، میں کیسے اپنے آپ کو سنبھال نہیں پایا۔ شاید میں اکیلا تھا وہاں۔ اور وہ بھی اکیلی تھی۔ ایک بار میں اس کے گھر گیا۔''

یہ سنتے سنتے ہی اندو کا اعتبار ڈگمگانے لگا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''اور اس کے کہنے سے، ایک رات وہاں رک گیا میں، نہیں رکنا چاہیے تھا نا مجھے، نہیں رکنا چاہیے تھا۔''

اتنا سنتے ہی اندو بری طرح رو پڑی۔

''اندو.... اس کے بعد میں کبھی بھی اس سے نہیں ملا۔ اور تب بھی میرا اس سے خاص رشتہ نہیں تھا۔''

ڈی۔ کے۔ اندو کے قریب گیا تو وہ بولی۔

''خاص رشتہ نہیں تھا۔ اس سے زیادہ اور کیا رشتہ ہو سکتا ہے؟ ڈی۔ کے۔
... کیا چاہتی ہے..وہ...؟''

''کچھ نہیں..... وہ تو مر چکی ہے۔''

یہ سنتے ہی اندو نے گھوم کر ڈی۔ کے۔ کو دیکھا۔

''تو پھر............''

''اس..... اس سے..... ایک بیٹا ہے میرا۔''

یہ سنتے ہی رکے ہوئے آنسو پھر اندو کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ٹوٹی شاخ کی طرح وہ کرسی پر ڈھ گئی۔

''ایسا مت کہو..... ایسا مت کہو ڈی۔ کے۔..... اوہ گوڈ یہ کیا ہو رہا ہے۔''

اسی وقت رنگی کمرے میں آئی اور ماں کو روتے دیکھ بولی۔

''ممی...''

ڈی۔ کے۔ نے رنگی سے کہا۔

''بیٹا آپ، آپ اپنے کمرے میں جاؤ۔ چلو جاؤ۔''

رنگی کچھ سمجھ نہیں پائی۔ ڈی۔ کے۔ نے اسے باہر کر کے دروازہ بند کر دیا۔ پلٹا تو اندو باتھ روم میں تھی۔ اس کے رونے کی آواز آرہی تھی۔

-19

صبح پورا پریوار ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا تھا، پھر بھی ایک خاموشی چھائی تھی۔ چھوٹی منّی اس سناٹے کو برداشت نہیں کر پائی اور گانا گنگنانے لگی۔

''طیب علی پیار کے دشمن.... ہائے.... ہائے۔ جان کا دشمن ہائے....''

ابھی بھی کوئی کچھ نہ بولا۔ اندو چائے کے برتن ٹیبل پر رکھ کر جانے لگی تو رنگی نے آواز دی۔

''ممی۔''

لیکن اندور کی نہیں۔ چلی گئی۔''

-20

صبح صبح ڈی۔ کے۔ اپنے دوست سوری صاحب سے ملنے ان کے ٹینس کورٹ گیا۔ وہ کھیل رہے تھے۔ اسے دیکھ کر مذاق کیا۔

''ہیلو سٹرینجر۔ کہاں ہو بھائی۔ کہہ رہا تھا کسی کام میں پھنس گیا۔ بتا کیا بات ہے۔ آج کیسے آنا ہوا؟''

''تیرے سے کچھ بات کرنی ہے۔ بہت بڑا پرابلم ہے۔''

''کیا ہے... ؟ بنسل کی پرابلم ہے تو بتا، ابھی فٹ کرا دیتا ہوں۔ آ بیٹھ....''

دونوں سائیڈ میں لگی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''یار یہ بتا تو۔ اگر تیری کمپنی کو وہ کونٹریکٹ مل جاتا ہے تو تجھے کیا ملے گا؟''

''وہ پرابلم نہیں۔ کچھ اور ہے۔''

''تو پرابلم کو سول کرتے ہیں۔''

ایک اور شخص ان کے درمیان میں آ کر بیٹھ گیا اور سوری صاحب سے کہنے لگا۔

''کیوں سوری صاحب، کھیل ہو گیا۔''

''کیوں مخول کرتے ہیں۔ ہم تو کام دھندے میں اور وہسکی پینے میں لگ گئے۔ ورنہ ہم بھی، بیٹے کی طرح ومبلڈن کی تیاری کرتے۔''

سوری صاحب کا لڑکا ٹینس کھیل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر کہنے لگے۔

''کیا۔ ڈے۔ کے۔ جو اپنے بیٹے کو جوان ہوتے دیکھنے میں مزہ آتا ہے۔ وہ اپنی جوانی میں بھی نہیں آتا تھا۔ یومسٹ ہیو فن یار۔ کیوں۔ ڈی۔ کے۔ بیٹا بہت ضروری ہے۔''

پھر دوسرے شخص سے۔

''کیوں جی آپ کا بیٹا تو، آپ کا بزنس سنبھال ہی لیتا ہے نا؟''

ڈی۔ کے۔ کو لگا جو بات کرنے آیا تھا اب نہ ہو سکے گی۔ اس لیے کھڑے

ہوتے ہوئے بولا۔

''سوری میں.... چلتا ہوں۔''

''ارے سن تو۔ تو تو کوئی پرابلم...''

''پھر بھی..... میں چلتا ہوں۔''

ڈی۔ کے۔ کہہ کر چل پڑا۔

21۔

ڈی۔ کے۔ کے گھر کی دروازے کی گھنٹی بجی۔ اندو نے آ کر کھولا۔ پوسٹ مین نے اسے ایک رجسٹرڈ لیٹر دیا۔ اندو اس خط کو کھولتے ہوئے اندر کی جانب بڑھی۔ اور خط پڑھنے لگی۔

22۔

ڈی۔ کے۔ کے آفس کی گھنٹی بجی۔ ڈی۔ کے۔ نہیں تھا۔ اس کی سکریٹری نے فون لیا۔

''ہیلو... ہیلو... ہاں، ہاں بتادوں گی۔ ہیلو... ہیلو.... میسج مل گیا۔''

فون پر اندو تھی۔ اس نے فون رکھا۔ چہرے پر غصہ تھا اور ہاتھ میں وہی رجسٹرڈ لیٹر جو پوسٹ مین دے گیا تھا۔ غصے میں اسے پھاڑ کر پھینک دیا۔

23۔

ڈی۔ کے۔ اپنے باس کے ساتھ ایک کمرے میں میٹنگ میں بیٹھا تھا۔ اسی وقت، اس کی سکریٹری نے ایک پرچی لا کر اس کے سامنے رکھی۔ اسے پڑھ کر ڈی۔ کے۔ کے چہرے پر مایوسی اور جھنجھلاہٹ چھا گئی۔ وہ میٹنگ چھوڑ کر کمرے سے چلا گیا۔

24۔

اندو گھر کے باہر ٹیکسی میں بیٹھی کہیں جانے کے لیے۔ سامنے سے ڈی۔ کے۔ کی کار آ گئی۔ ڈی۔ کے۔ اسے دیکھ کر کار سے اتر آیا۔ اور پوچھنے لگا۔

''اندو کہاں جا رہی ہو؟''

''معلوم نہیں۔ کہیں بھی۔''

''کیا کہہ رہی ہو؟.... ایک منٹ میری بات سنو گی۔''

''مجھے کچھ بھی نہیں سننا۔''

ڈی۔ کے۔ نے ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور کہا۔

''ایک منٹ میری بات بھی تو سنو۔ نیچے تو آ جاؤ۔''

اندو ٹیکسی سے باہر نکلی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا، وہ بچہ یہاں آنے والا ہے۔''

''جھوٹ مت بولو۔''

''سچ کہہ رہا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔''

''ٹھیک ہے۔ چاہے جو کچھ ہو جائے وہ لڑکا یہاں نہیں آئے گا۔ اس گھر میں نہیں آئے گا۔''

ٹیکسی والا ابھی تک انتظار کر رہا تھا۔

''میم صاحب۔ ٹیکسی چاہیے یا نہیں۔''

ڈی۔ کے۔ نے کہا۔

''نہیں چاہیے۔''

پھر کچھ سوچ کر ٹیکسی والے کو پیسے دیے۔ پھر پلٹ کر اندو سے کہا۔

''اندو... پلیز... بس کچھ دنوں کے لیے۔ وہ یہاں آ رہا ہے۔ بس.... تو میں کیا کروں؟''

''چاہے جو کرو۔ پر وہ یہاں نہیں آئے گا۔''

''بس اندو، وہ کچھ دنوں کے لیے آئے گا، میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''مجھے تم پر اعتبار نہیں رہا۔''

''تم ہی نے تو کہا تھا۔ میری ہر پرابلم تمھاری ہے، اس بار ساتھ نہیں دو گی۔''

اسی وقت دونوں بچیاں اسکول سے لوٹ آئیں۔ دونوں اسکول کا بیگ لیے اسکول کے ڈریس میں تھیں۔ انھیں دیکھ کر اندو نے دھیمی آواز میں کہا۔

''تم چاہتے کیا ہو؟.... تم کچھ بھی کرتے رہو، میں سہتے رہوں۔ میں بھی تو انسان ہوں، میری بھی کچھ فیلینگس ہیں۔ مجھ پہ کیا گزرے گی، تم نے سوچا کبھی۔ یہ بچے.... انھیں کیا کہیں گے۔ سوچا تم نے؟....''

تب تک دونوں بچیاں ان تک پہنچ چکی تھیں۔ آتے ہی بڑی لڑکی رنکی نے کہا۔

''میرے دونوں سم غلط ہو گئے۔ ممی دیکھو نا۔ ممی چل کر اندر دیکھو۔''

ماں کو چپ چاپ دیکھ کر رنکی نے ہاتھ پکڑ کر زبردستی اندر کی طرف بڑھی۔

''ممی اندر چلو نا۔''

اندو اس کے ساتھ اندر چلی گئی۔ چھوٹی منی نے ڈی۔ کے۔ سے فرمائش کی۔

''پاپا مجھے گودی لو نا۔''

ڈی۔ کے۔ نے اسے گود میں اٹھالیا۔ اس نے ڈی۔ کے۔ کو پیار کیا۔ پھر دوسری فرمائش۔

''پاپا اندر لے چلو نا۔''

ڈی۔ کے۔ اسے گود میں لیے گھر کے اندر بڑھ گیا۔

25۔

رات کا کھانا کھا کر ڈی۔ کے۔ اور بچیاں ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ گئے۔ اندو نے رنکی کو پکارا۔

''رنکو بیٹا ذرا سنو۔''

''کیا ہے ممی۔''

''ہمارے یہاں، ایک لڑکا رہنے آ رہا ہے۔ اس کا نام....''

ڈی۔ کے۔ اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا یہ سن کر رک گیا۔ اور پلٹ آیا۔

''اس کی ماں مر چکی ہے۔ اس لیے ہمارے پاس آ رہا ہے۔''

''لیکن اس کی ممی کون تھیں؟''

''ہماری دور کی رشتہ دار تھی۔''

ڈی۔ کے۔ بھی ان تک آیا۔ چھوٹی منّی خوش ہو گئی۔ اور پوچھنے لگی۔

''ممی وہ کتنا بڑا ہے؟''

اندو، ڈی۔ کے۔ کو دیکھ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ ڈی۔ کے۔ نے جواب دیا۔

''آٹھ نو سال کا ہے۔''

رنگی ماں کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔ منّی بھی اس طرف بڑھی۔ رنگی نے اعتراض کیا۔

''ممی اتنا چھوٹا لڑکا، میرے ایگزام آ رہے ہیں، مجھے پڑھائی نہیں کرنے دے گا۔''

''نہیں وہ میرے ساتھ کھیلے گا۔''

''اس کے پاپا کہاں ہیں؟... ان کے پاس کیوں نہیں چلا جاتا۔''

ڈی۔ کے۔ بیٹی کی بات سن کر اس کے پاس جا کر سمجھانے لگا۔

''بیٹے اس کے پاپا کہیں چلے گئے ہیں۔''

ڈی۔ کے۔ کے قریب آتے ہی اندو اٹھ کر چلی گئی۔ رنگی سوال کیے جا رہی تھی۔

''اس کو اکیلا چھوڑ کے؟''

ڈی۔ کے۔ وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔ منّی اس کی گود میں چڑھ گئی اور جواب دیا۔

''میرے پاپا مجھ کو چھوڑ کر کبھی نہیں جا سکتے۔''

اندو جو اپنے بیڈ روم میں جا رہی تھی، پلٹ کر بولی۔

''اچھا بچوں چلو جا کر سو جاؤ اپنے کمرے میں۔''

دونوں بچیاں اٹھ گئیں۔اور باری باری بولیں۔

''گڈ نائٹ پاپا۔گڈ نائٹ پاپا۔''

بچیاں چلی گئیں۔ڈی۔کے۔وہیں بیٹھے حالات پر غور کر رہا تھا۔اندو بیڈ روم کی طرف پلٹی تو ڈی۔کے۔نے کہا۔

''تھینک یو اندو.... تم نے سنبھال لیا۔''

''میں اپنے بچوں کو سنبھال رہی تھی۔''

غصے میں کہہ کر وہ بیڈ روم میں چلی گئی۔اور ڈی۔کے۔وہیں بیٹھا رہ گیا۔

26-

دلی ریلوے اسٹیشن ، ایک گاڑی آ کر رکی۔ایک ڈبے میں سے تیواری جی راہل کو لے کر نکلے۔سامنے سے تیزی سے ڈی۔کے۔چلتا ہوا آیا۔تیواری جی راہل کو چھوڑ کر اسٹیشن سے ہی لوٹ گئے۔

ڈی۔کے۔کے ساتھ کار کی فرنٹ سیٹ پر راہل بیٹھا تھا۔ڈی۔کے۔ڈرائیونگ کر رہا تھا۔اپنی سوچوں میں گم۔راہل بالکل گم سم سا چہرے پر ڈھیر ساری حیرت لیے بیٹھا تھا۔ڈی۔کے۔نے اس سے پوچھا۔

''کھڑکی کھول دوں۔''

اور ہاتھ بڑھا کر اس کی طرف کی کانچ نیچے کرنے لگا۔کچھ سوچ کر ڈی۔کے۔اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے لگا تو راہل نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔کار دلی کے بازار سے گزرتی ہوئی، لال قلعے، کے پاس سے گزرنے لگی۔ڈی۔کے۔بات کرنے کے لیے بتانے لگا۔

''وہ دیکھو پرانا قلعہ۔بہت پرانا قلعہ ہے۔شیر شاہ سوری نے.... نہیں، نہیں اب اس میں 'زو' ہے۔بہت سارے جانور ہیں۔''

راہل نے ڈی۔کے۔کی بات کے جواب میں دوسرا ہی سوال کیا۔

''آپ میری ممی کو جانتے تھے؟''

کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں، بیٹا.... جانتا تھا۔''

''اور میرے پاپا کو؟''

''پاپا کو نہیں.....''

''ممی کہتی تھی۔ میرے پاپا مجھے ضرور مل جائیں گے۔ اب تو ممی بھی نہیں ہیں۔ اب میرے پاپا آئیں گے تو، مجھے ڈھونڈے گے، کیسے؟''

ڈی۔ کے۔ اداس ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''ڈھونڈ لیں گے۔ ڈھونڈ لیں گے۔''

کہتے کہتے ڈی۔ کے۔ خاموش ہو گیا۔

27-

ڈی۔ کے۔ راہل کو لے کر گھر پہنچا۔ سامنے ہی منّی مل گئی۔ اس نے راہل کو ملایا۔

''منّی یہ راہل ہے۔''

منّی نے کہا۔

''ہیلو۔''

''راہل... یہ منّی ہے۔''

کمرے سے رنکی بھی نکل آئی۔ اس سے بھی ملایا۔

''رنکی بیٹے یہاں آؤ۔ راہل یہ رنکی ہے۔۔ رنکی یہ راہل ہے۔''

''ہیلو...''

اوپر بیڈ روم سے اندو باہر نکل آئی۔ اندو دھیرے دھیرے قدموں سے اتر رہی تھی۔ رنکی نے ماں کو دیکھ کر کہا۔

''وہ میری ممی ہے۔ ممی یہ راہل ہے۔''

راہل نے دبے انداز میں کہا۔

''نمستے۔''

منّی نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ممی، راہل ہمارے کمرے میں سوئے گا؟''

''نہیں، ان کا بستر اسٹڈی میں لگا دیا گیا ہے۔''

رنکی نے جھٹ کہا۔

''لیکن، ممی میں وہاں پڑھتی ہوں۔''

''کچھ ہی دنوں کی بات ہے۔عبدل سامان رکھ دو اسٹڈی میں۔''

عبدل اس کا سامان اٹھا اسٹڈی روم کی طرف چل دیا۔ پیچھے پیچھے راہل بھی۔ اندو نے بچیوں سے کہا۔

''تم دونوں اوپر کمرے میں آجاؤ۔''

ڈی۔کے۔شرمندہ سا، سر جھکائے، مجرموں کے انداز میں کھڑا رہا۔سب چلے گئے۔وہ بھی اوپر جانے کے لیے سیڑھیوں پر قدم رکھ رہا تھا کہ کچھ سوچ کر رک گیا۔

28۔

دوسری صبح سبھی لوگ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے تھے۔راہل، ڈی۔کے۔کی بغل میں بیٹھا تھا۔رنکی آئی اور کہنے لگی۔

''اٹھو... یہ میری جگہ ہے۔پاپا کے بغل میں میں بیٹھتی ہوں۔''

راہل اٹھ گیا۔ڈی۔کے۔نے کہا۔

''بیٹے، تم وہاں بیٹھ جاؤ۔''

راہل آ کے اندو کے بغل میں بیٹھ گیا۔اندو کو جھنجھلاہٹ اور گھبراہٹ شروع ہو گئی۔اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر پانی پیا پھر بولی۔

''اوہ.... عبدل، چاول نہیں لایا۔''

کہتے ہوئے اندو کچن میں چلی گئی۔ منی راہل کے سامنے بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ پھر اسے چھیڑنے کے لیے آنکھ ماری، راہل بھی مسکرا دیا۔

اندو کچن سے چاول کی پلیٹ لے آئی۔ پھر سب کی پلیٹ میں ڈالنے لگی۔ منی، رنکی کے پلیٹ میں ڈالا چاول۔ منی، راہل کو بتانے لگی۔

''ہمارا ایک پپی تھا جس کا نام منی تھا۔''

اندو نے ڈانٹا۔

''منی چپ چاپ کھانا کھاؤ۔''

منی نے ان سنی کر دی۔

''جب پاپا مجھے بلاتے تھے تو پپی آجاتا تھا۔ جب وہ پپی کو بلاتے تو میں بھاگ کے آتی تھی۔''

اندو غصہ سے بولی۔

''منی......''

''ممی آج ناراض ہیں۔''

کہہ کر ہنس پڑی۔ اندو ڈی۔ کے۔ کو چاول دے کر راہل کے پاس آئی اس کے سامنے پلیٹ رکھ کر مڑ کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ بغیر ناشتہ کیے۔ ڈی۔ کے۔ نے پوچھا۔

''اندو تم نہیں کھاؤ گی؟''

اندو کچھ نہیں بولی اور کمرے میں چلی گئی۔

29-

رات کے وقت، راہل اپنے کمرے میں کچھ لکھ رہا تھا۔ اسے کسی کے گانے کی آواز سنائی دی۔ اندو اوپر دونوں بچیوں کو سلا رہی تھی۔ اور گا نا گا رہی تھی۔

دو نیناں اور ایک کہانی
تھوڑا سا بادل تھوڑا سا پانی
اور ایک کہانی . . .

چھوٹی سی دو جھیلوں میں وہ بہتی رہتی ہے
کوئی سنے یا نہ سنے کہتی رہتی ہے
کچھ لکھ کے اور کچھ زبانی
تھوڑا سا بادل تھوڑا سا پانی . . .

راہل بیچ بیچ میں رک کر اندو کو دیکھتا وہ کس طرح پیار سے دونوں بچوں کو سلا رہی تھی۔ ڈی۔ کے۔ نے راہل کو دیکھتے دیکھا۔

تھوڑی سی ہے جانی ہوئی، تھوڑی سی نہیں
جہاں رکے آنسو وہیں پوری ہو گئیں
ہے تو نئی پھر بھی پرانی
تھوڑا سا بادل تھوڑا سا پانی . . .

راہل اپنے ماضی میں کھو گیا۔ جہاں وہ اپنی ماں کے ساتھ جنگل میں چیڑ کے پیڑوں کے بیچ کھیل رہا تھا۔ پھر اپنی ماں کی چتا کا جلتا ہوا لمحہ یاد آیا۔

ایک ختم ہو تو دوسری رات آ جاتی ہے
ہونٹوں پہ پھر بھولی ہوئی بات آ جاتی ہے
دو نینوں کی ہے یہ کہانی
تھوڑا سا بادل تھوڑا سا پانی . . .

راہل اسی یاد کو سوچتے، ٹہلتے ہوئے گھر کے لان میں آ گیا۔ ایک بینچ پر بیٹھ کر کھلے

آسمان کو دیکھنے لگا۔ ڈی۔ کے۔ بھی اس کے پیچھے آ گیا، اور اسے آسمان تکتے دیکھ کر پوچھا۔

''بیٹے....... یہاں اکیلے بیٹھے کیا کر رہے ہو؟''

کہتے ہوئے اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

''میں تارے کو دیکھ رہا ہوں۔ ممی کہتی تھی۔ اگر ٹوٹتے ہوئے تارے کو دیکھ لو۔ تب جو بھی مانگو مل جاتا ہے۔''

دونوں آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''دیکھو.... دیکھو انکل ٹوٹتا ہوا تارا۔ چلا گیا۔''

''کچھ مانگا... تم نے؟''

''ہاں!''

''کیا...؟''

''میں نہیں بتاتا۔''

''کیوں؟...''

راہل چپ رہا۔

''اچھا... اچھا.... اندر چلیں۔''

''ہوں!''

دونوں کھڑے ہوئے اندر جانے لگے۔ راہل رک گیا۔

''انکل۔''

''ہاں بیٹے۔''

''میں آپ کو بتاؤں، میں نے کیا مانگا؟''

''ہاں۔''

''میں نے مانگا، میرے پاپا مجھے مل جائیں۔''

ڈی۔ کے۔ بہت محبت سے اسے دیکھنے لگا۔ جیسے اسے یقین دلا رہا ہو کہ اس کے پاپا مل جائیں گے۔

30۔

دوسری صبح بچیاں اسکول جارہی تھی۔ ساتھ ان کے اندو بھی تھی۔ بالکل بجھی، اداس، جیسے رنج وغم سے زور آزما تھی۔ رنکی نے آواز دی۔

''چلیے نہ پاپا، بہت دیر ہورہی ہے۔''

ڈی۔ کے۔ تیزی سے باہر کی طرف آرہا تھا، اندو اندر کی طرف جانے لگی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اسی وقت راہل بھی نکل آیا۔ بالکل ان دونوں کے بیچ۔ اندو نے کہا۔

''بچوں کو دیر ہورہی ہے۔''

کہہ کر رکی نہیں، اندر بڑھ گئی۔

31۔

ہال میں اندو بیٹھی سیوٹر بن رہی تھی۔ اور ساتھ ہی سوچے جارہی تھی۔ راہل بھی اپنے کمرے سے نکل کر آگیا۔ اس کے قریب آیا تو اندو نے منہ پھیر لیا۔ ہاتھ غصہ سے اور تیزی سے چلنے لگے۔ راہل نے پوچھا۔

''آپ میری ممی کو جانتی تھیں؟''

راہل کچھ اور قریب آیا۔

''انکل تو جانتے تھے۔''

اندو وہاں سے اٹھ کر ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر جا بیٹھی۔ راہل اسے دیکھتا رہا۔ بہت دیر تک تکتا رہا۔ اندو کو الجھن ہونے لگی، پوچھا۔

''کیا ہے؟... ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''ممی بھی ایسی پھولوں والی ساڑی پہنتی تھی۔''

''اچھا.... مجھے کام کرنے دو۔''

اندو وہاں سے اٹھ کر اوپر، اپنے بیڈروم میں چلی گئی۔ راہل اسے دیکھتا رہا۔

-32

اندو، چندا کے ساتھ اس کے آفس میں سائیڈ کے صوفے پر بیٹھی تھی۔ اندو نے اسے راہل کے بارے میں سب بتا دیا۔ چندا نے غصے میں کہا۔

''تم نے اس لڑکے کو آنے کیسے دیا۔ گھر میں رکھا کیسے؟''

اندو کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

''رکھا کیا؟... بس آ گیا۔ اسے دیکھتے ہی ڈی۔ کے۔ اور اس کا خیال آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے، چندا سب چھوٹ گیا۔ ایسا لگتا ہے، جیسے سب کی زندگی میں ہوتا ہے آئی ایم چیٹیڈ۔''

اندو روتی رہی۔ سبکتی رہی اور آواز ٹوٹ رہی تھی۔ چندا اس کے قریب ہو گئی اور تسلی دی۔

''جتنا کمزور ہوگی اندو، اتنا ہی زیادہ سہنا پڑے گا۔''

تبھی ٹیبل کا فون بج اٹھا۔ چندا اٹھ کر گئی اور فون اٹھایا۔

''ہاں.... ہاں ابھی آ رہی ہوں۔ آتی ہوں۔''

اندو سے کہہ کے پاس کے کاؤنٹر پہ گئی، اور ورکر کو ڈانٹ کر پھر اندو کے پاس واپس آئی، اور کہنے لگی۔

''جب مجھے میجر صاحب چھوڑ کے گئے تھے۔ میں بھی سسکیاں مارتی تھی، تمھاری طرح۔ اب دیکھو مجھے کس چیز کی کمی ہے۔ اپنا کام سنبھالتی ہوں۔ اپنے لیے جیتی ہوں۔ اپنی طرح جیتی ہوں۔ ایک آزاد عورت کی طرح۔''

''اور تمھارا بیٹا، اس کی یاد نہیں آتی۔''

یہ سن کر چندا چپ چاپ اندو کو دیکھتی رہ گئی۔ اور پلٹ کر دوسری طرف چل دی۔

-33

رنگی پڑھ رہی تھی۔ منی مسکراتے ہوئے اس کے پاس آئی اور بولی۔

''میں تمھیں پوئم سناؤں۔''

''میں پڑھ رہی ہوں۔کوئی ضرورت نہیں۔''

''پلیز۔''

''میں نے کہا نا۔ میں اسٹڈی کر رہی ہوں۔''

منّی نے ان سنی کر دی اور اپنی پوئم پڑھنے لگی۔

''کس نے بنایا چڑیوں کو۔ چڑیوں کو....''

رنکی نے زور سے چیخ کر ماں کو آواز دی۔

''ممی......... ممی...........''

''اچھا میں جا رہی ہوں۔''

منّی تیزی سے دوسری طرف بھاگ گئی۔

34۔

راہل اپنے کمرے میں کچھ لکھ رہا تھا دروازہ کھلا، منّی نے جھانکا اور پوچھا۔

''راہل بھیا.... میں آپ کو اپنی کویتا سناؤں؟''

''ہاں سناؤں۔''

منّی دروازہ چھوڑ کر اندر آ گئی، اور راہل کے سامنے کھڑے ہو کر ایکشن سے کویتا پڑھنے لگی۔

''کس نے بنایا... چڑیوں کو.... چڑیوں کو
کس نے بنایا.... آپ کو.... اور مجھ کو
آپ کو.... مجھ کو
ایشور سب میں ہے۔''

راہل منّی سے کویتا سن کر خوش ہوا۔ منّی کویتا سنا کر قریب آ گئی۔ راہل ایک تصویر بنا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر منّی نے پوچھا۔

''یہ کس کی فوٹو ہے؟''

''یہ میری، میرے پاپا کی ہے۔''

''آپ کے پاپا ایسے تھے؟''

''پتا نہیں۔ ایسے ہی ہوں گے۔''

''کہاں ہیں؟''

راہل چپ رہا۔ منّی تصویر کی کاپی لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اور بولی۔

''وہ تو مر گئے ہوں گے۔''

''نہیں۔ ممّی کہتی تھی وہ بہت دور گئے ہیں۔ ایک دن ضرور آئیں گے۔''

''میں نے ٹی۔ وی۔ پر دیکھا تھا، ایک اور بچے کے پاپا کہیں دور چلے گئے تھے۔ اس کی ممّی کہتی تھی وہ ضرور آئیں گے، پر وہ تو مر گئے تھے۔ اس کو پتا ہی نہیں تھا۔''

''جو فلم میں ہوتا ہے، وہ سچ تھوڑے ہی ہوتا ہے۔''

''ہاں.... وہ تو فلم ہوتی ہے نا۔ میں اپنے پاپا سے کہوں گی، وہ تمھارے پاپا کو ڈھونڈیں گے۔''

''وہ کیسے ڈھونڈیں گے؟''

''میرے پاپا بہت 'کلیور' ہیں، دیکھنا وہ، انھیں ڈھونڈ لیں گے۔''

اندو دروازے میں آئی اور دونوں کو بات کرتے دیکھ کر کہا۔

''منّی... آپ یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''میں راہل بھیا کے ساتھ کھیل رہی ہوں۔''

''چلو سو جاؤ۔''

منّی اپنی ممّی کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ اندو نے منّی سے پوچھا۔

''راہل، بھیا کب سے ہو گئے؟''

-35

اندو اپنے بیڈروم میں، کوئی میڈیسن کھا رہی تھی۔ ڈی۔ کے۔ نے پوچھا۔

''یہ کیا لے رہی ہو؟''

بغیر اس کی طرف دیکھے جواب دیا۔

''نیند کی گولیاں۔''

''نیند کی گولیاں لینے سے کچھ حل ہو جائے گا؟ کتنی بار تم سے معافی مانگ چکا ہوں۔ کتنی بار کہہ چکا ہوں ایک غلطی ہو گئی ہے۔ تم بھول نہیں سکتیں؟''

ڈی۔ کے۔ نے الماری سے تکیہ اور چادر نکالی۔ اندو نے جواب دیا۔

''کیسے بھول سکتی ہوں، دس سال سے ایک جھوٹے رشتے کے ساتھ جیتی رہی۔ دس سال سے مجھے دھوکہ دیا۔''

''تم اس رشتے کو جھوٹ کہہ رہی ہو۔ تم دو بچوں کے رشتوں کو جھوٹ کہہ رہی ہو۔''

اندو غصے میں بستر پہ لیٹ گئی۔ ڈی۔ کے۔ قریب آیا۔

''ہمارے دو بچے ہیں۔''

''اس کا بھی تو بچہ ہے۔ اسے جھوٹ کہو گے؟''

ڈی۔ کے۔ ایک پل کو چپ ہو گیا۔ پھر اندو کو سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''اندو..... پلیز...... یقین مانو، اس بچے کے بارے میں، مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ اگر معلوم ہوتا...''

''تو کیا کرتے؟.... ہمیں چھوڑ دیتے؟''

اتنا سن کر ڈی۔ کے۔ نے اندو کو چھو کر کہنا چاہا۔

''اندو..........''

''مت چھوؤ مجھے۔''

اندو کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں تھیں۔ ڈی۔ کے۔ چپ ہو گیا۔ اور سوچتے ہوئے کرسی پہ جا بیٹھا۔

36۔

دوسرے دن صبح سوری صاحب نے ڈی۔ کے کو فون کیا۔ اور لڑکی کی آواز میں بولے۔

''ہیلو...... ڈی۔ کے۔ ملہوترا صاحب بول رہے ہیں؟.... جی میرا نام.... ''

اتنے ہی میں ان کی ہنسی چھوٹ گئی۔ اور وہ زور سے بولے۔

''ابے میں سوری ہوں۔ سوری۔ یار تو بڑا ایزی ہو گیا ہے۔ تجھے معلوم ہے آج سنڈے ہے۔ سائیڈ وائیڈ پہ تو نہیں جانا ہے۔ فارم پہ آرہا ہے کہ نہیں؟''

''میں نہیں آسکتا۔ میرا موڈ نہیں ہے یار۔''

''تو موڈ نہیں ہے۔ تیرے موڈ سوڈ کو میں سہی کر دوں گا۔''

''سوری۔ سوری سن تو سہی۔ میرے ساتھ اندو کا بھی موڈ نہیں ہے۔''

''ارے اوے.... تو اندو کا تاؤ لگتا ہے۔ تو دے اندو کو فون۔''

سوری صاحب ہندی بھی پنجابی اسٹائل میں بولتے تھے۔

37۔

سوری صاحب کا فارم ہاؤس۔ ڈی۔ کے۔ اپنے پریوار کے ساتھ وہاں پہنچا۔ سوری صاحب نے ڈی۔ کے۔ اور بچوں کو ریسیو کیا۔ ان کی بیوی اور بیٹا بھی ساتھ تھے۔

''لو..... آ گئے موڈ کے مارے۔ موڈ آپ کے درست ہوئے۔''

عورتیں ایک دوسرے سے ملیں۔ ڈی۔ کے۔ اور سوری صاحب ایک دوسرے سے ملے۔ راہل کار کے پاس ہی کھڑا رہ گیا۔ منی نے پلٹ کر دیکھا اور دوڑ کر گئی، اسے ساتھ لانے کے لیے۔

''راہل بھیا.... چلو نا۔ چلو نا۔''

راہل نے جواب نہیں دیا۔ منی اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لے گئی۔ رنگی سوری صاحب سے مل رہی تھی۔

''ہیلو انکل۔''

''ہیلو بیٹا۔''

منّی قریب آئی تو سوری صاحب نے اسے گود میں اٹھالیا۔ اور پیار کیا۔ پھر راہل کو دیکھ کر پوچھا۔

''ارے..... یہ کون؟..... کس کا بچہ ہے۔ڈی۔ کے۔''

ڈی۔ کے۔ اور اندو چپ رہے۔ منّی بول پڑی۔

''یہ راہل بھیا ہیں۔ اس کی ممی مرگئی ہیں۔ اس کے پاپا کہیں چلے گئے ہیں۔''

منّی نے ایک سانس میں سب کہہ دیا۔

38۔

فارم میں راہل کھیل رہا تھا۔ کھیلتے ہوئے بچے باغ کی طرف آ گئے۔ جہاں پھولوں کے کنج تھے۔ سوری صاحب کا بیٹا ایک بانس کی لکڑی ہاتھ میں لیے ان پھولوں کے کنجوں پر مار رہا تھا۔ راہل نے اسے روکا۔

''انھیں مت مارو۔''

''یہ میرے پاپا کا ہے۔ میں اسے توڑوں گا۔''

''ان میں جان ہے، انھیں بھی چوٹ لگے گی۔''

''ہٹ.... یہ کون کہتا ہے؟''

''میری ممی کہتی ہے۔''

''ہٹ.... تیری ممی تو مر چکی ہے۔''

کہتے ہوئے وہ پھر لکڑی پھولوں پر مارنے لگا۔ راہل نے پکڑنا چاہا تو اسے لکڑی لگ گئی۔ منّی سے دیکھا نہ گیا وہ بھاگ کر پاپا کے پاس شکایت کرنے گئی۔

''پاپا.... پاپا.... راہل بھیا کو بونے مارا۔''

مسز سوری نے جھٹ انکار کیا۔

''بو نے مارا، ہو ہی نہیں سکتا۔''

''میں نے دیکھا تھا۔ بو نے مارا۔''

منّی کی شکایت پر سوری صاحب نے غصہ سے بیٹے کو آواز دی۔

''بو.... بو.... یہاں آؤ۔''

بو قریب آ گیا۔

''تم نے راہل کو مارا۔''

''میں نے نہیں مارا۔''

مسز سوری نے طرف داری کی۔

''میں کہا سی نا۔ میرا بو نہیں ماردا کسی نو۔''

منّی نے جھٹ کہا۔

''نہیں جھوٹ بولتا ہے، مارا...''

ڈی۔ کے۔ نے بات کاٹی۔

''ٹھیک... ٹھیک ہے۔''

ڈی۔ کے۔ اٹھ کر راہل کے پاس چلا گیا۔ سوری صاحب نے منّی سے پوچھا۔

''آپ کیا پیو گی؟''

''تھمس اپ''

اندو یہاں آ کر بھی اداس سی ادھر، ادھر پھر رہی تھی۔ نہ کسی سے بات کر رہی تھی نہ کسی کی سن رہی تھی۔

ایک جگہ پانی بہہ رہا تھا۔ وہیں قریب میں راہل کھیل رہا تھا۔ ڈی۔ کے۔ اس کے قریب آ گیا۔

''راہل... تم کو بو نے مارا؟''

''نہیں...''

ڈی۔ کے۔ کھڑا اسے کھیلتا دیکھتا رہا۔

سوری صاحب نے کرکٹ کا سامان منگوایا اور زور سے بولے۔

''کون کھیلے گا کرکٹ؟... آجاؤ سبھی۔''

بو پہلے دوڑا آیا اور سوری صاحب کے ہاتھ سے بیٹ چھیننے لگا۔

''پہلے ہم لوگ کھیلیں گے۔''

''پہلے بڑے پھر بچے۔''

''نہیں... نہیں... پہلے ہم کھیلیں گے۔''

بو بولنگ کر رہا تھا۔ پہلے منّی نے بیٹنگ کی اور کلین بولڈ ہوگئی۔ پھر ڈی۔ کے۔ بیٹنگ پر آیا اور دو چار بول کے بعد آؤٹ ہوگیا لیکن منّی جو امپائرنگ کر رہی تھی، اس نے آؤٹ نہیں دیا۔ بو نے پھر بولنگ کی اور اس بار ڈی۔ کے۔ کیچ ہوگیا۔

بو نے آکر بیٹ سنبھالی۔ ڈی۔ کے۔ نے بولنگ کے لیے راہل کو بال دیا۔ راہل کی پہلی ہی بال پر بو آؤٹ ہوگیا۔ ڈی۔ کے۔ نے خوشی سے کہا۔

''دیکھا میرے بیٹے کو...''

کہتے کہتے رک گیا۔ اندو بھی سٹ پٹا گئی۔ سوری اور اس کی بیوی بھی حیران ہوگئے۔ ڈی۔ کے۔ چپ چاپ مڑ گیا۔

دن گزر گیا۔ رات ہوگئی۔ ایک طرف لکڑیاں جلا دی گئیں۔ بچے کچھ دوری پر تھے اور بڑے سب اس کے اطراف بیٹھ گئے۔ ایک ٹیبل بھی لگی تھی۔ سوری صاحب بیٹھے اس پر سلاد کاٹ رہے تھے، اور حسب توقع مذاق بھی کر رہے تھے۔

''پر اپسٹی ہوئی، کٹلیری ہوئی۔ یہ سب تو ہم لندن سے خریدتے ہیں۔ سالے 15% ڈیوٹی لگا دیتے ہیں۔ یار ڈی۔ کے۔ کانٹے چمچے ہم نے کالج میں نہیں رکھے، تو ہم اپنے ٹیبل پہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔''

''یار سوری تم تو ایک بیوی بھی فورن کی لے آتے تو اچھا رہتا۔''

سلاد کی پلیٹ لے کر سوری صاحب اپنی بیوی کی طرف بڑھے۔ پلیٹ دیتے ہوئے بولے۔

''بیوی... حضور کسی اسٹور میں ملتی تو ضرور لے آتے۔ ایک بار نیو یارک میں.....''

پاس بیٹھی اندو بالکل لاتعلق سی بیٹھی تھی۔اچانک بول پڑی۔

''کچھ ہے ایسا تو بتادو نا۔ چھپاتے کیوں ہو؟''

''نہیں جی، چھپانے کی تو بات ہی نہیں ہے۔مطلب یہ ہے کہ... جب کانتا میری لائف میں آئیں تھیں اس سے پہلے ٹیرسی میری لائف میں آئی تھی۔''

کانتا نے پوچھا۔

''ٹیرسی وہ کون ہے؟''

''ہاں..... ٹیرسی.....وہ.....''

ڈی۔ کے۔ نے سمجھایا۔

''کانتا تم اتنا کیوں نروس ہو رہی ہو۔اس کی تو عادت ہے چڑانے کی۔''

''چڑانے کی بات ہی نہیں ہے جب سے تم سے شادی ہوئی ہے، ملاقات ہوئی..... اس کے بعد کسی سے ملا ہوں..... تو بتایا ہے کبھی میں نے....''

''جاؤ دوسری شادی کرلو۔''

''مذاق کر رہا ہے کانتا تمھیں چھوڑ کے یہ دوسری شادی کرے گا؟''

اندو بولی۔

''شادی کے بغیر بھی تو رشتے بن سکتے ہیں۔شادی کوئی ضروری تھوڑے ہی ہے۔''

اندو اپنے اور ڈی۔ کے۔ کے مسئلے سے الجھی ہوئی بحث کر رہی تھی۔ جسے کانتا سمجھ نہیں پائی۔

''اندو کیا کہہ رہی ہو؟''

''ٹھیک کہہ رہی ہوں۔''

سوری صاحب نے کہا۔

''اندو میرے متعلق جو کچھ کہنا چاہتی ہو کہہ سکتی ہو۔ پر ڈی۔ کے۔ کے لیے کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''ضرورت پڑی تو کہا۔''

''مطلب...؟''

''مطلب انھیں سے پوچھو۔''

اتنا کہہ کر اندو وہاں سے ہٹ گئی۔ کانتا نے پوچھا۔

''ارے کیا ہو گیا اسے؟''

کہہ کر کانتا اس کے پیچھے گئی۔ سوری صاحب نے ڈی۔ کے۔ سے پوچھا۔

''ماجرا کیا ہے؟.... صبح سے میں دیکھ رہا ہوں، کہ تم دونوں کے بیچ ٹینشن ہے۔ جس طرح سے اندو بات کر رہی تھی اس.... لڑکے راہل سے یہ راہل کون ہے؟.... ہوں!''

''میرا بیٹا ہے۔''

''کیا......؟''

''ہاں!...... میں سن 73 میں جب نینی تال گیا تھا............''

39۔

ڈی۔ کے۔ ماضی میں کھوتا ہوا۔

کالج میں پاس آؤٹ تھا۔ طلبہ کا مجمع لگا ہوا تھا۔ ڈی۔ کے۔ کے بہت سے پرانے دوست آپس میں مل رہے تھے۔ ایک نے مذاق کیا۔

''ڈی۔ کے۔ اب تو باپ بننے والا ہے۔''

دوسرے دوست نے کہنے والے کو چڑایا۔

''ابے تیری تو شادی بھی نہیں ہوئی۔''

کچھ دور ایک لڑکی اپنے پروفیسر کے پیر چھو رہی تھی۔ ڈی۔ کے۔ کی آواز ماضی

سے ابھری۔

''اس شور شرابے کے بیچ میں بھی وہ اکیلی۔ بھاوٗنا اس کا نام تھا۔ اسکول کے دنوں سے جانتا تھا اس کو میں۔ اس وقت بڑی ہنس مکھ ہوا کرتی تھی۔ لیکن اب....''

پھر سے ڈی۔ کے۔ آواز کے ساتھ ماضی میں پہنچا۔ جہاں پروفیسر صاحب ڈی۔ کے۔ کو بتا رہے تھے۔

''بیٹے اس لڑکی کے ساتھ بہت بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے۔ اسکول میں تھی تب، جب اس کا سارا پریوار موٹر ایکسیڈینٹ میں مارا گیا۔''

پھر ڈی۔ کے۔ کی آواز۔

''پروفیسر نے بتایا کہ بھاوٗنا بالکل کٹ گئی سب رشتوں سے۔ پروفیسر صاحب اس کے پریوار کو جانتے تھے۔ اس لیے بھاوٗنا کی ساری ذمہ واری ان پر پڑی۔ وہ چاہتے تھے کہ بھاوٗنا اپنے دکھ کو کم سے کم کچھ ہلکا کر سکے۔ اسے کوئی یہ سمجھائے۔''

بھاوٗنا اور ڈی۔ کے۔ پہاڑ کی وادیوں میں ٹہل رہے تھے۔ ایک جگہ دونوں آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ بھاوٗنا نے کہا۔

''مجھے اپنا ہاتھ دکھاؤ۔''

ڈی۔ کے۔ نے اپنی ہتھیلی کو بھاوٗنا کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''یہ دیکھو تمھاری شادی کی لکیر۔ تم اپنی شادی سے بہت خوش ہونا۔ کتنی گہری ہے۔''

''ہاں.... بالکل....''

''یہ لکیر ایک جگہ آ کر، رہنے دو تم ان باتوں کا وشواس نہیں کرتے۔''

بھاوٗنا نے ہاتھ چھوڑ دیا اور آگے بڑھ گئی۔ ڈی۔ کے۔ سوچ میں پڑ گیا۔

''تم نے دیکھا کیا۔ بتاؤ تو سہی؟''

''کچھ نہیں۔''

''اچھا ایک اور بات بتاؤ، ہمارے لڑکا ہوگا، یا نہیں؟''

ڈی۔ کے۔ نے بھاوٗنا کے آگے ہتھیلی پھیلائی۔

''ایک لڑکا تو ہے۔ یہ والا لڑکا ہے یا لڑکی یہ نہیں معلوم۔''

''ہمیں تو بیٹا چاہیے۔ اچھا تم اپنا ہاتھ دکھاؤ۔''

''میرا ہاتھ دیکھ کر کیا کرو گے؟''

بھاؤنا یہ کہہ کر دوسری طرف مڑی۔ ڈی۔ کے۔ پیچھے پیچھے آ گیا۔

''ارے دکھاؤ تو سہی۔ اب میں بتاتا ہوں تمھارا فیوچر۔ دکھاؤ۔''

ڈی۔ کے۔ نے بھاؤنا کا دایاں ہاتھ پکڑ لیا۔ اور دیکھنے لگا۔ بھاؤنا اسے دیکھنے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر بایاں ہاتھ دیا۔ ڈی۔ کے۔ دیکھنے لگا۔

''کہاں ہے.... آپ کی شادی کی لکیر او ہو..... بائیں ہاتھ.... میں۔''

''یہ........ بنتے بنتے رہ جاتی ہے۔''

''او ہو..... لیکن آپ کسی سے...''

''کچھ یقین نہیں آتا، شادی ہے بھی۔ اور نہیں بھی۔''

''ہاتھ دکھاؤ.... وہ تمھاری جیون ریکھا کہاں ہے؟''

''یہ......''

''یہ.... یہ تو بہت چھوٹی ہے۔''

''معلوم ہے۔''

''معلوم ہے.... او.... ہو.... تو آپ نے سوچ لیا ہوگا کہ آپ جلدی مر جائیں گی۔''

''سوچا نہیں۔ معلوم ہے۔''

''معلوم ہے۔''

پھر دونوں ٹہلتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

-40

ایک پہاڑی پر بھاؤنا تصویر بنا رہی تھی۔ اس پہاڑی کا نام 'چینا پیک' تھا۔

یہاں سے پورا نینی تال نظر آتا تھا۔ دور کھڑا ڈی۔ کے۔ اسے دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا۔ اس سوچ کو وہ سوری کے سامنے بیان کر رہا تھا۔

''اور وہ مر گئی کچھ دنوں۔ مجھے یقین نہیں آتا، عجیب قسم کا اندھا وشواس تھا۔ بھاؤنا سے مل کر مجھے حیرت ہوتی تھی کہ کوئی انسان اپنے غم کو اتنے ورشوں تک اپنے میں پال کے رکھ سکتا ہے۔ جیسے غم ہی اس کا مقصد بن گیا ہو۔''

41-

نینی تال کی جھیل میں بھاؤنا اور ڈی۔ کے۔ بوٹنگ کر رہے تھے۔ اور ڈی۔ کے۔ کی سوچ، آواز میں ابھر رہی تھی۔

''بھاؤنا کے لیے، میرے دل میں ہمدردی تھی جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے لیے ہوتی ہے۔''

ڈی۔ کے۔ بھاؤنا کو سمجھا رہا تھا۔

''ارے بھول جاؤ ان سب باتوں کو، ہاتھ کی لکیریں، ستارے سب بکواس ہے۔ ایک نارمل لڑکی کی طرح زندگی بتاؤ۔''

''ڈی۔ کے۔ میرے پاس آو۔ پلیز ڈی۔ کے۔ آؤ میرے پاس۔ آ کے بیٹھو۔''

پھر ڈی۔ کے۔ کی سوچ، آواز میں ابھری۔

''اس نے مجھے اپنے پاس بلایا، میں چلا گیا اس کے بعد جو ہوا۔ کیسے سمجھا سکتا ہوں اندو کو؟''

ماضی سے نکلتے نکلتے، ڈی۔ کے۔ پشیمان اور روہاں سا ہو گیا تھا۔ سوری اس کی باتیں سن رہا تھا۔

''سوری.... چھوٹے چھوٹے میرے بچے.... سب کچھ، سوری میرا گھر لوٹتا جا رہا ہے۔ میں کیا کروں؟.... کیسے سمجھاؤں ان کو؟..... میرا گھر ٹوٹتا جا رہا ہے۔''

''پہل تجھے کرنی پڑے گی۔ اس بچے کو تجھے بھیجنا پڑے گا۔''

''ایک لڑکا تو ہے۔ یہ والا لڑکا ہے یا لڑکی یہ نہیں معلوم۔''

''ہمیں تو بیٹا چاہیے۔ اچھا تم اپنا ہاتھ دکھاؤ۔''

''میرا ہاتھ دیکھ کر کیا کرو گے؟''

بھاؤنا یہ کہہ کر دوسری طرف مڑی۔ ڈی۔ کے۔ پیچھے پیچھے آ گیا۔

''ارے دکھاؤ تو سہی۔ اب میں بتاتا ہوں تمھارا فیوچر۔ دکھاؤ۔''

ڈی۔ کے۔ نے بھاؤنا کا دایاں ہاتھ پکڑ لیا۔ اور دیکھنے لگا۔ بھاؤنا اسے دیکھنے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر بایاں ہاتھ دیا۔ ڈی۔ کے۔ دیکھنے لگا۔

''کہاں ہے.... آپ کی شادی کی لکیر اوہو..... بائیں ہاتھ.... میں۔''

''یہ........ بنتے بنتے رہ جاتی ہے۔''

''اوہو..... لیکن آپ کسی سے...''

''کچھ یقین نہیں آتا، شادی ہے بھی۔ اور نہیں بھی۔''

''ہاتھ دکھاؤ.... وہ تمھاری جیون ریکھا کہاں ہے؟''

''یہ.....''

''یہ.... یہ تو بہت چھوٹی ہے۔''

''معلوم ہے۔''

''معلوم ہے.... او..... ہو.... تو آپ نے سوچ لیا ہوگا کہ آپ جلدی مر جائیں گی۔''

''سوچا نہیں۔ معلوم ہے۔''

''معلوم ہے۔''

پھر دونوں ٹہلتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

-40

ایک پہاڑی پر بھاؤنا تصویر بنا رہی تھی۔ اس پہاڑی کا نام 'چینا پیک' تھا۔

یہاں سے پورا نینی تال نظر آتا تھا۔ دور کھڑا ڈی۔ کے۔ اسے دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا۔ اس سوچ کو وہ سوری کے سامنے بیان کر رہا تھا۔

''اور وہ مر گئی کچھ دنوں۔ مجھے یقین نہیں آتا، عجیب قسم کا اندھا وشواس تھا۔ بھاؤنا سے مل کر مجھے حیرت ہوتی تھی کہ کوئی انسان اپنے غم کو اتنے ورشوں تک اپنے میں پال کے رکھ سکتا ہے۔ جیسے غم ہی اس کا مقصد بن گیا ہو۔''

-41

نینی تال کی جھیل میں بھاؤنا اور ڈی۔ کے۔ بوٹنگ کر رہے تھے۔ اور ڈی۔ کے۔ کی سوچ، آواز میں ابھر رہی تھی۔

''بھاؤنا کے لیے، میرے دل میں ہمدردی تھی جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے لیے ہوتی ہے۔''

ڈی۔ کے۔ بھاؤنا کو سمجھا رہا تھا۔

''ارے بھول جاؤ ان سب باتوں کو، ہاتھ کی لکیریں، ستارے سب بکواس ہے۔ ایک نارمل لڑکی کی طرح زندگی بتاؤ۔''

''ڈی۔ کے۔ میرے پاس آؤ۔ پلیز ڈی۔ کے۔ آؤ میرے پاس۔ آ کے بیٹھو۔''

پھر ڈی۔ کے۔ کی سوچ، آواز میں ابھری۔

''اس نے مجھے اپنے پاس بلایا، میں چلا گیا اس کے بعد جو ہوا۔ کیسے سمجھا سکتا ہوں اندو کو؟''

ماضی سے نکلتے نکلتے، ڈی۔ کے۔ پشیمان اور روہاں سا ہو گیا تھا۔ سوری اس کی باتیں سن رہا تھا۔

''سوری.... چھوٹے چھوٹے میرے بچے.... سب کچھ، سوری میرا گھر ٹوٹا جا رہا ہے۔ میں کیا کروں؟.... کیسے سمجھاؤں ان کو؟..... میرا گھر ٹوٹا جا رہا ہے۔''

''پہل تجھے کرنی پڑے گی۔ اس بچے کو تجھے بھیجنا پڑے گا۔''

''جانتا ہوں یار۔ کہاں بھیجوں؟''

''بورڈنگ اسکول میں۔''

''اس کا بھی تو کوئی حق ہم لوگوں پر، کہاں جائے گا، اس کا کیا قصور ہے، اس نے اصل میں کیا کیا ہے؟''

-42

ڈی۔ کے۔ کا گھر۔ اندوا داس سی، غصہ میں بھری بیٹھی تھی۔ پاس ہی رنگی بیٹھی اسکول کا ہوم ورک کر رہی تھی۔ اس نے ماں کو پکارا۔

''ممی .... یہ سم نہیں ہو رہا ہے مجھ سے۔ بتاؤ نا آ کے ادھر۔''

''رنگی مجھے ڈسٹرب مت کیا کرو۔ مجھ سے نہیں ہوتے تمھارے سم۔''

اندو وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

''ممی، آج کل آپ کو کیا ہو گیا ہے؟''

وہیں ہال کی سیڑھیوں پر چھپ کر راہل بیٹھا تھا۔ دونوں ماں بیٹی کی بات سن رہا تھا۔

''میرے ایگزام سر پہ آ گئے ہیں۔ وہ موٹی پھر فرسٹ آ گئی تو میں کیا کروں گی؟''

راہل نے رنگی سے پوچھا۔

''میں بتا دوں؟''

''تمھیں آتا ہے؟''

''ہاں آتا ہے۔''

راہل سیڑھیاں اتر کر رنگی کے پاس آ گیا۔ کاپی لے کر سم کرنے لگا۔ چھوٹی منّی آ کر رنگی سے لپٹ کر پیار کرنے لگی۔

''کیا کر رہی ہو منّی؟......''

پھر راہل سے پوچھا۔

''یہ کیسے آتا ہے تمھیں؟''

''میتھس میں میں ہمیشہ فرسٹ آتا تھا۔ بس ہندی میں تھوڑا سا ویک تھا۔''

''آگے نہیں پڑھو گے تم؟''

راہل چپ رہا۔ منی رنکی کے ساتھ کھیلتی رہی۔

''دلّی میں رہو، یہیں پڑھنا۔''

''رہ لوں؟....''

منّی نے جھٹ ہامی بھری۔

''ہاں یہیں رہ لو۔''

''آنٹی سے پوچھنا پڑے گا۔''

رنکی نے کہا۔

''ممی سے کیا پوچھنا، ممی کو تو سبھی بچے اچھے لگتے ہیں۔''

''ہاں ممی کو تو سبھی بچے اچھے لگتے ہیں۔''

''میں بھی....؟''

''ہاں..... تم سے ذرا گھبراتی ہے۔ تم نئے ہونا۔''

-44

ڈی۔ کے۔ کے آفس میں اس کے باس دھون کہہ رہے تھے۔

''گپتا کہہ رہا تھا۔ ڈیزائن میں کافی کام باقی ہے۔''

''ہے.... تو۔''

''ڈی۔ کے۔، بنسل صاحب کے آفس میں ایک ہفتے میں پریزینٹیشن کرنا ہے۔ دو فون ان کے آل ریڈی آچکیں ہیں۔ کیا ہوا ہے تمھیں؟''

ڈی۔ کے۔ کچھ رک کر بولا۔

''سوری سر۔ میری کوئی پرسنل پرابلم ہے۔''

''ورک ازورک، ڈی۔ کے۔.... ہوں!''

''او کے سر۔ سارا ڈیزائن گھر پہ لے کر جاتا ہوں، گھر پہ ہی ختم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

کہہ کر ڈی۔ کے۔ باس کے کیبن سے اٹھ کر چلا گیا۔

45۔

ڈی۔ کے۔ تھکا ہارا گھر آیا۔ مایوس اور اداس سا۔ سیدھا اپنے بیڈروم میں چلا آیا۔ اندو جو کپڑے بدل رہی تھی اسے دیکھ کر دوسرے روم میں چلی گئی۔ ڈی۔ کے۔ اپنے ٹیبل پر سامان رکھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر آ کر نیند کی گولی لی اور گلاس میں پانی لے کر کھا لی۔ یہ دیکھ کر ڈی۔ کے۔ نے پوچھا۔

''کب تک لیتی رہوگی نیند کی گولیاں؟''

اندو بستر پر لیٹ گئی۔ بولی۔

''جب تک نیند نہیں آتی۔''

ڈی۔ کے۔ نے چپ چاپ پھر سے اپنے دھیان کو کام لگانے کی کوشش کی۔ لیکن الجھنے لگا۔ غصے میں ہاتھ کی پنسل پھینک دی۔ اور ٹیبل لیمپ آف کر دیا۔

46۔

رنکی، راہل، کمرے میں بیٹھی تھی۔ رنکی ایک چٹھی پڑھ رہی تھی، جو راہل نے اپنے ماسٹرجی کو لکھا تھا۔

''پوجنئے ماسٹرجی۔ میں یہاں بالکل اچھا ہوں۔ وہاں میرے پاپا کا کوئی چٹھی آئی ہے۔''

رنکی نے ہنس کر تصیح کی۔

''پاپا کی کوئی چٹھی آئی ہے۔''

''اچھا!''

''ان کا کچھ پتہ چلا۔ یہاں انکل مجھے بہت پیار کرتے ہیں۔ یہاں پہ ایک آنٹی بھی ہیں۔ وہ بھی پیار کرتی ہیں پر ابھی شرماتی ہیں، آپ ٹھیک ہیں۔''

منی، راہل کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

''راہل بھیا.... یہ پینٹنگ بنایا کس نے ہے؟''

''میں نے۔''

''اس میں کون کون ہیں؟''

''یہ تمھارے پاپا۔ یہ تمھاری ممی۔ تمھاری دیدی اور تم۔''

''ممی کی جڑی کہاں ہے؟''

''وہ تو پیچھے ہے نا۔ نظر کیسے آئے گی؟''

منی پیپر کو الٹا کر کے دیکھنے لگی۔

''ہاں نظر کیسے آئے گی؟.... پر تم کہاں ہو؟''

''میں تو یہاں بیٹھا ہوں۔''

''اس میں کہاں ہو؟''

''اس میں تو نہیں ہوں۔ ڈال دوں کیا؟''

''ہاں ڈال دو۔''

رنگی کو کچھ یاد آیا اور اس نے بتایا۔

''ارے .... ممی کا پرسوں برتھ ڈے ہے۔ ارے میں تو ان کے لیے چوڑیاں لانا ہی بھول گئی۔''

''راہل بھیا۔ آپ کیا لاؤ گے ممی کے لیے؟''

''میں آنٹی کے لیے، چوڑیوں کے لیے ڈبہ بناؤں؟''

-47

اسٹور روم میں بیٹھے تینوں بچے لکڑی کا ڈبہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کہ مٹی نے کہا۔

''میں نے اپنی پوئم بنائی ہے سناؤ؟''

رنکی نے کہا۔

''ابھی رہنے دو۔''

لیکن مٹی شروع ہو گئی۔

''لکڑی کی کاٹھی، کاٹھی کا گھوڑا، گھوڑے کی دم پہ مارا ہتھوڑا۔''

وہیں ایک کنارے لکڑی کا گھوڑا رکھا تھا۔ مٹی اس پر بیٹھ گئی اور گانے لگی۔

لکڑی کی کاٹھی، کاٹھی کا گھوڑا
گھوڑے کی دم پہ جو مارا ہتھوڑا،
دوڑا... دوڑا... دوڑا... دوڑا

ساتھ ہی راہل اور رنکی بھی شامل ہو گئے۔

لکڑی کی کاٹھی، کاٹھی کا گھوڑا
گھوڑے کی دم پہ جو مارا ہتھوڑا،
دوڑا... دوڑا... دوڑا... دوڑا
گھوڑا دم اٹھا کے دوڑا،

گھوڑا پہنچا چوک میں، چوک میں تھا نائی
گھوڑے جی کی نائی نے حجامت جو بنائی
دوڑا... دوڑا...

گھوڑا گھمنڈی، پہنچا سبزی منڈی
سبزی منڈی برف پڑی تھی
برف میں لگ گئی ٹھنڈی
دوڑا... دوڑا...

گھوڑا اپنا تگڑا ہے دیکھو کتنی چربی ہے
چرتا ہے مہرولی میں
پر گھوڑا اپنا عربی ہے
ڈاک چھڑا کے دوڑا....
دم اٹھا کے دوڑا.....

-48

دوسرے روز اپنی ممی کو جنم دن کی مبارک باد دینے دونوں لڑکیاں، راہل کے ساتھ اپنے ماں باپ کے بیڈروم میں پہنچے۔ راہل باہر کھڑا رہا۔ رنگی نے دروازے سے مڑ کر پکارا۔

''راہل آؤ۔''

''میں بعد میں آؤں گا۔''

کمرے میں اندو اور ڈی۔ کے۔ ابھی سوئے ہوئے تھے۔ رنگی نے بڑھ کر کھڑکی کا پردہ کھینچ دیا۔ اندو کے چہرے پر دھوپ پڑنے لگی۔ اندو کی آنکھ کھل گئی۔ دونوں بچیوں نے ساتھ میں کہا۔

''ہپی برتھ ڈے ٹو یو۔''

''تھینک یو۔''

اندو نے دونوں بچوں کو گلے سے لگالیا۔ اور پیار کرنے لگی۔ ڈی۔ کے۔ کی بھی

آنکھ کھل گئی تھی، اس نے بھی وش کیا۔

''ہیپی برتھ ڈے۔''

اندو نے خوشی سے پلٹ کر دیکھا۔ اور پھر خیال آنے پر چہرے پر سختی چھانے لگی۔ راہل دروازے کے باہر ہی کھڑا تھا۔ اندو نے دیکھا تو اس نے بھی وش کیا۔

''ہیپی برتھ ڈے، آنٹی۔''

اندو نے سست آواز میں جواب دیا۔

''تھینک یو۔''

اندو بستر سے اٹھی۔ پھر سب یاد آنے پر اس کے چہرے پر بیزاری اور غصہ بڑھنے لگا۔ وہ ایسے ہی انداز میں باتھ روم میں چلی گئی۔

-49

نیچے ہال میں تینوں بچے اپنے اپنے گفٹ کو پیک کر رہے تھے، اندو کو دینے کے لیے۔ رنکی اپنے گفٹ پر کچھ لکھ رہی تھی۔ منّی نے کہا۔

''میں بھی لکھوں گی۔''

''یہ کیا لکھے گی۔ بس میری رائٹنگ خراب کر دے گی۔''

رنکی لکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی وقت عبدل چائے کی کیتلی لے کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھنے آیا۔ یہ سب دیکھ کر پوچھا۔

''بچوں کیا کر رہے ہو؟''

سبھی نے گفٹ چھپانے کے لیے ہاتھ پیچھے کیا۔ منّی نے عبدل کو دھکے سے ہال سے باہر نکال دیا۔ اندو سیڑھیوں سے نیچے آ رہی تھی۔ منّی نے دیکھ لیا۔

''ممی آ رہی ہیں۔''

منّی نے ماں کا ہاتھ پکڑا اور اسے لیے رنکی اور راہل جہاں بیٹھے تھے وہاں لے آئی۔

''کیا بات ہے؟''

رنگی نے چھپایا۔

''کچھ نہیں.... آپ بیٹھیے۔''

پاس کی کرسی پر ماں کو بٹھا دیا۔ اندو نے پریزینٹ کھولنا شروع کیا۔

''یہ کیا ہے؟''

''یہ آپ کا برتھ ڈے پریزینٹ ہے۔''

''کیا ہے اس میں؟''

اندو نے پریزینٹ کھولنا شروع کیا۔

''آپ کھول کر دیکھیے۔''

اندو نے کھول کر دیکھا۔ ایک لکڑی کا ڈبہ چوڑیاں رکھنے کا۔ اندو خوش ہو گئی۔

''رنگی آپ لائیں؟''

رنگی نے نہ میں سر ہلایا۔

''نہیں۔''

''منّی تو نہیں لائی ہو گی؟''

ڈی۔ کے۔ بھی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ اندو نے پھر پوچھا۔

''کون لایا اس کو؟''

منّی نے نے بتایا۔

''راہل بھیا نے خود اپنے ہاتھ سے بنایا۔''

اندو کے چہرے پر ایک خوشی کی لہر آئی۔ وہ راہل کو پیار کرنے بڑھنے لگی کے ڈی۔ کے۔ پر نظر پڑی اور وہ رک گئی۔ منّی نے بھی پاپا کو دیکھا اور بتانے لگی۔

''پاپا دیکھا۔ راہل بھیا نے ممی کے لیے کیا بنایا؟''

اندو کا غصہ ابھی اترا نہیں تھا۔ وہ وہاں سے کچن میں چلی گئی۔ رنگی نے ڈبہ اٹھا کر بتایا۔

''دیکھیے پاپا۔ راہل نے ممی کے لیے کیا بنایا؟''

ڈی۔ کے۔ جھک کر دیکھنے لگا۔

''ہوں ویری گڈ۔ یہ بوکس آپ نے بنایا، بہت اچھا ہے۔''

''آنٹی کو اچھا نہیں لگا؟''

''نہیں نہیں اچھا لگا۔''

ڈی۔ کے۔ نے مسکرا کر راہل کو پیار کیا۔ متی نے جھٹ کہا۔

''بہت اچھا لگا۔''

''ہاں، ہاں بہت اچھا لگا۔''

-50

اندو اپنے کمرے میں بیٹھی، ہاتھوں سے چوڑیاں اتار رہی تھیں۔ تبھی اسے گفٹ کا خیال آیا۔ اس نے اس بوکس کو اٹھا کر دیکھا۔ اور چوڑیاں اس میں رکھنے لگی۔ جیسے اس نے راہل کے گفٹ کو قبول کر لیا۔

-51

راہل اپنے بستر پر سویا ہوا تھا۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور اندو اندر داخل ہوئی۔ وہ غور سے راہل کو سوتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے اس کا لحاف ٹھیک کیا۔ پھر اس کا کمرا دیکھنے لگی۔ راہل کے سرہانے ایک لکڑی کا بوکس رکھا تھا۔ اسے اٹھا کر دیکھا۔ بوکس کے چاروں طرف راہل کی ماں بھاؤنا کی تصویر لگی تھی۔ وہ بھاؤنا کی تصویر دیکھنے لگی۔ آہستہ آہستہ اندو کے اندر غصہ بھرنے لگا۔ اس کا چہرہ نفرت سے جل اٹھا۔ اور اس کے ہاتھ سے بوکس گر گیا۔ وہ جلدی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے اپنے شیشے میں اپنا عکس دیکھا۔ پھر اپنے بیڈ کے پاس رکھا راہل کا دیا ہوا بوکس اٹھایا۔ اسے اس بوکس پر چاروں طرف ڈی۔ کے۔ اور بھاؤنا کی تصویریں دکھنے لگیں۔ اس نے غصے سے بوکس کو زمین پر دے مارا۔ بوکس گرنے

کی آواز سے ڈی۔ کے۔ نیند سے جاگ پڑا، اور پوچھنے لگا۔

''کیا ہوا؟''

''اپنے بیٹے کو لے جاؤ یہاں سے۔''

52۔

دوسرے دن دوپہر میں، راہل اسٹور روم میں لکڑی کا بوکس بنا رہا تھا۔ ہتھوڑی سے کیل ٹھونک رہا تھا کہ اس کے ہاتھ میں چوٹ لگ گئی۔ اور خون بہنے لگا۔ راہل درد سے چیخا۔

''ماں......''

خون دیکھ کر وہ ڈر گیا۔ بھاگتا ہوا کچن کے دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں اندو کچھ پکا رہی تھی۔ راہل درد کے مارے بول پڑا۔

''ممی....''

یہ سن کر اندو ایک پل کو گھبرا گئی۔ بچیاں تو اسکول گئیں ہیں۔ یہ کون ہے۔ دیکھا تو راہل۔ غصے سے کہا۔

''میں تمھاری ممی نہیں ہوں۔''

راہل ڈانٹ سن کر گھبرا گیا۔ اور الٹے قدموں واپس ہونے لگا۔ اندو نے اور ڈانٹا۔

''خبردار جو مجھے دوبارہ ممی کہا تو....''

راہل الٹے قدموں کافی دور جا کر، ڈر کر اندو کو دیکھ رہا تھا۔ اندو غصے میں بھری کچن سے نکل کر اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

53۔

رات میں سبھی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ منّی اور رنکی لڑ رہی تھیں۔ منّی نے کہا۔

''میں گاجر نہیں کھاتی۔''

''اسٹوپڈ تجھے تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔''

''یو اسٹوپڈ۔ یو پاگل، یو الو۔''

''ممی اسے سمجھاؤ۔''

''رنکی تم چپ کھانا کھاؤ۔''

''راہل بھیا ذرا گوبھی دینا۔''

راہل ڈش اٹھانے لگا۔ ڈش تھوڑی دور تھی اس نے دوسرا ہاتھ بھی بڑھایا۔ اس میں چوٹ لگی تھی۔ اور پٹی بندھی تھی۔ خون سے پٹی لال ہو گئی تھی۔ منّی یہ دیکھ کر چیخی۔

''خون.... خون، پاپا راہل بھیا کے ہاتھ میں خون ہے۔ دیکھو نا راہل بھیا کے ہاتھ میں خون ہے۔''

سبھی کی نظر اس کے ہاتھ پر پڑی۔ ڈی۔ کے۔ نے پوچھا۔

''کیا ہوا بیٹے؟''

راہل چپ رہا۔ ڈی۔ کے۔ کھانا چھوڑ اس کے پاس آ گیا۔

''اندو کیسے لگی اسے؟''

اندو چپ رہی۔

''اندو.... میں پوچھ رہا ہوں اسے چوٹ کیسے لگی؟''

''مجھے کیا معلوم۔ بتایا تھوڑے تھا مجھے۔''

''گھر میں بچے کو چوٹ لگ گئی اور تم کو معلوم نہیں۔''

''بچوں کے سامنے مت چلاؤ مجھ پر۔''

اندو اٹھ کر جانے لگی۔

''صرف اس لیے کہ یہ تمھارا بیٹا نہیں ہے کسی اور کا ہے۔''

''جو اس کا باپ ہے وہی سنبھالے اسے، میرے گلے کیوں باندھ رہے ہو؟''

اندو غصے میں بھری چلی گئی۔ڈی۔کے۔بھی غصے میں اس کے پیچھے ہی کمرے میں چلا گیا۔ بچے ان کی باتیں سن کر سہم سے گئے۔

54۔

کمرے میں پہنچ کر ڈی۔کے۔نے کہا۔

''اندو...... اندو تمھیں شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے۔''

''تم سے زیادہ شرمناک بات نہیں کی میں نے۔تمھیں شرم نہیں آتی اپنے کیے پر؟''

ڈی۔کے۔روہاں سا ہو کر چیخ پڑا۔

''تو بتاؤ مجھے۔میں کیا کروں؟.... سولی چڑھ جاؤں؟''

کہہ کر ڈی۔کے۔کمرے سے نکل گیا۔

55۔

ڈی۔کے۔اپنے آفس میں باس کے کیبن میں بیٹھا تھا۔دھون غصے میں کہہ رہا تھا۔

''تمھیں چھٹی چاہیے؟.... کیسی باتیں کرتے ہو ڈی۔کے۔تمھیں معلوم ہے کتنے ارجنٹ کام باقی ہیں۔آئی ایم سوری تمھیں چھٹی نہیں مل سکتی۔''

''سر اگر مجھے چھٹی نہیں مل سکتی تو مجھے ریزائن کرنا پڑے گا۔''

''ریزائن۔تمھیں ریزائن کرنا پڑے گا۔کیسی باتیں کرتے ہو تم؟.... بات یہاں تک پہنچ چکی ہے۔لاپرواہی کی حد ہوتی ہے،اگر کام نہیں ہو سکتا تھا تو پہلے کہہ دینا چاہیے تھا۔''

''میں نے آپ سے پہلے کہا تھا،میری پرسنل پروبلم ہے۔''

''میری بھی تو پروبلم ہے............. سنو ڈی۔کے۔مجھے کمپنی چلانی ہے۔میں اکیلے تو نہیں چلا سکتا۔بولو کیا بات ہے؟''

ایک خاموشی دونوں کے بیچ۔

''ٹھیک ہے جاؤ۔ جاؤ..... تمھیں اپنی ذمہ داری معلوم ہے۔ جاؤ۔''

56۔

نینی تال کی جھیل کا کنارا۔ راہل اور ڈی۔ کے۔ ساتھ ساتھ تھے۔ راہل دوڑ کر ناؤ تک پہنچا۔

''انکل آپ مجھے بوٹینگ کراؤ گے؟''

''بالکل۔''

''اور رائڈ تک؟''

''وہ بھی کرائیں گے۔''

''اور چینا پیک۔''

''جاؤ گے وہاں پیدل؟''

''ہاں...... وہ رہا ماسٹر جی کا گھر۔''

ڈی۔ کے۔ نے بھی ماسٹر جی کے گھر کی طرف دیکھا۔ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے گھر کی طرف دوڑے۔ راہل پہلے گھر کے پاس پہنچا۔ پیچھے پیچھے ڈی۔ کے۔ بھی۔ لیکن دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی جانب نا سمجھی سے دیکھا۔ پیچھے سے پوسٹ ماسٹر تیواری صاحب آ گئے۔ ڈی۔ کے۔ نے پہچانا۔

''ارے تیواری جی۔''

''کب آئے؟.... نمستے؟''

''نمستے.... ہم تو راہل کے ایڈمیشن کے لیے راہل کے اسکول آنے والے تھے۔''

''ہاں۔ ہاں پرنسپل صاحب نے مجھے بتایا تھا۔''

''راہل نمستے کرو تیواری جی کو۔''

''نمستے انکل۔''

''کیسے ہو بیٹے... آپ؟''

میں ٹھیک ہوں۔آپ کیسے ہیں؟.... ماسٹر جی کہاں ہے؟''

تیواری جی ایک پل کو چپ ہو گئے پھر ڈی۔کے۔کی طرف دیکھ کر کہا۔

''وہ تو گزر گئے۔''

''ارے کب؟''

''کچھ دن پہلے۔ان کو.... دل کا دورہ پڑنے سے۔''

یہ سن کر راہل بہت اداس اور سست قدموں سے آگے بڑھ گیا۔ڈی۔کے۔بھی مایوس سا ہو گیا۔ پھر اسی پہاڑی وادیوں میں گھوم رہے تھے۔راہل نے پوچھا۔

''انکل۔میری ممی نے مجھ سے جھوٹ تو نہیں بولا۔''

''کیا؟...''

''ایسا تو نہیں.... میرے پاپا ہیں ہی نہیں؟''

ڈی۔کے۔بالکل خاموش سا اسے دیکھتے گیا۔راہل دوسری طرف چل دیا۔

57۔

ایک اسکول کے پرنسپل کے کمرے کے باہر برامدے میں راہل اور تیواری جی بیٹھے تھے۔اندر پرنسپل کے آفس میں ڈی۔کے۔پرنسپل کو سمجھا رہا تھا۔باہر راہل نے تیواری جی کو پوچھا۔

''تیواری جی میرا ایڈمیشن ہو جائے گا نا؟''

''ہاں ہو جائے گا۔''

''پھر مجھے یہیں رہنا ہو گا؟''

''ہاں.... یہاں ہوسٹل ہے نا۔وہیں پہ رہنا۔''

پرنسپل کے کمرے سے ڈی۔کے۔اور پرنسپل صاحب ساتھ نکلے۔ڈی۔کے۔نے پوچھا۔

''وہ راہل کی کتابیں۔ کہاں سے مل جائے گی؟''

''آفس سے لسٹ مل جائے گی۔''

''اور یونیفارم، ہم بنوالیں۔''

''وہ بھی یہیں سے مل جائے گی؟''

''راہل یہاں آیئے۔ یہ آپ کے پرنسپل صاحب ہے۔ دزاز دی بوائے۔''

''کیسے بھیجیں گے اسے؟''

تیواری جی نے کہا۔

''میں دلّی جاؤں گا تو اسے لیتا آؤں گا۔''

''تیواری جی لیتے آئیں گے۔''

پرنسپل راہل کے پاس آئے اور اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے کہا۔

''ہیلو ینگ بوائے۔ تو آپ ہمارا اسکول جوائن کرنے والے ہیں۔''

''تھینک یو، بولو بیٹا۔ پرنسپل صاحب تمھارے ایڈمیشن کے لیے مان گئے ہیں۔ تھینک یو بولو۔''

راہل چپ رہا، کچھ بولا ہی نہیں۔ ڈی۔ کے۔ اور پرنسپل صاحب آگے بڑھ گئے۔ راہل اور تیواری جی بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

''تو سر فیس کے لیے میں چیک بھیج دوں گا۔''

سبھی چلتے ہوئے بلڈنگ کے دروازے تک آگئے۔ جہاں سے نیچے کی طرف سیڑھیاں گیٹ تک جارہی تھیں۔ ڈی۔ کے۔ اور پرنسپل ابھی تک بات کررہے تھے۔

''آفس دو دن بعد کھلے گا۔ آپ آکے، ایڈمیشن فارم بھر دیجیے۔''

''جی۔ او کے۔ بہت بہت تھینک یو۔''

''دس دن بعد اسے بھیج دینا۔ ڈونٹ بی لیٹ۔''

''او کے سر۔ تھینک یو ویری مچ۔''

پرنسپل وہیں کھڑے رہ گئے، اور وہ تینوں باہر نکل گئے۔

58۔

نینی تال کا ہوٹل، ڈی۔ کے۔ اخبار پڑھ رہا تھا۔ راہل باتھ روم سے پیجامہ پکڑے پکڑے آیا اور ڈی۔ کے۔ سے بولا۔

''انکل یہ ناڑا اندر چلا گیا۔''

ڈی۔ کے۔ نے دھیان سے دیکھا۔

''ناڑا اندر گیا؟... اس کو باندھو نا اوپر سے۔''

ڈی۔ کے۔ پریشان ہوا۔ اُسے بھی ناڑا ڈالنا نہیں آتا تھا۔

''ادھر آؤ۔''

ڈی۔ کے۔ نے ناڑا پکڑا باندھنا چاہا۔ لیکن ناڑا پورا باہر آ گیا۔ یہ دیکھ کر دونوں ہنس پڑے۔

''ایسے ہی سو جاؤ نا۔''

''نہیں گر جائے گا۔''

''ارے کچھ نہیں گرے گا۔''

ڈی۔ کے۔ نے راہل کو گود میں اٹھا کر اپنے بغل میں سلا لیا۔

''انکل ٹائم کیا ہوا ہے؟''

''ساڑھے آٹھ۔ کیوں؟''

''ممی باتھ روم میں برش کر رہی ہوگی۔ اور رنگی زور زور سے دروازہ کھٹ کھٹا رہی ہوگی۔''

59۔

ڈی۔ کے۔ کے گھر میں سچ مچ، ممی باتھ روم میں برش کر رہی تھی، اور رنگی زور زور سے دروازہ کھٹ کھٹا رہی تھی۔

''جلدی کرنا ممی۔ جلدی کر۔''

منّی نے دروازہ کھولا تو ابھی تک اس کے منہ میں پیسٹ لگا ہوا تھا پورا منہ جھاگ سے بھرا تھا۔ اندو بھی آ گئی اور پوچھا۔

''ارے اتنا شور کیوں مچا رکھا ہے؟''

''ممّی، اس منّی سے کہونا۔ کتنی دیر سے باتھ روم میں........''

اندو نے منّی کو دیکھا۔ اس کا منہ ابھی تک گندا تھا۔

''چھی گندی بچّی۔ منہ دھو جا کے۔''

کچھ سوچ کر بولی۔

''اور سنو۔ تم دونوں آج میرے ساتھ ہی سو جانا۔''

منّی نے پوچھا۔

''ممّی آپ کو اکیلے ڈر لگتا ہے؟''

اندو نے جواب نہیں دیا اور واپس چلی گئی۔

-60

نینی تال میں پہاڑیوں کے بیچ وادیوں میں گھومتے ہوئے ڈی۔ کے۔ کے ساتھ راہل بہت خوش تھا۔ ایک جگہ گھاس پر دونوں لیٹ گئے۔ راہل نے کہا۔

''انکل آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔''

''بیٹے۔ آپ بھی ہمیں بہت اچھے لگتے ہو۔''

''جب پاپا آئیں گے۔ تو میں ان کے ساتھ نہیں رہوں گا۔''

''کیوں؟......''

''میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔''

ڈی۔ کے۔ اسے دیکھنے لگا، اور سوچنے لگا۔ راہل پھر بولا۔

''کیا میں، آپ کو پاپا بنا سکوں گا۔''

ڈی۔ کے۔ کھڑا ہو گیا بے چین سا۔ وادیوں میں چیڑ کے پیڑوں سے ٹکراتا

ایک گیت گونج اٹھا۔

تجھ سے ناراض نہیں زندگی، حیران ہوں میں
تیرے معصوم سوالوں سے پریشان ہوں میں

جینے کے لیے سوچا ہی نہیں، درد سنبھالنے ہوں گے
مسکرائیں تو مسکرانے کے قرض اتارنے ہوں گے
مسکراؤں جب بھی تو لگتا ہے
جیسے ہونٹوں پہ قرض رکھا ہے

راہل، ڈی۔ کے۔ کے ساتھ گھڑسواری کر رہا تھا۔ کبھی جھیل میں مچھلیاں مار رہے تھے۔ دونوں ساتھ ساتھ بہت خوش تھے۔ بہت مزہ لے رہے تھے۔

ہوٹل کے کمرے میں ڈی۔ کے۔ شیو کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر راہل نے بھی نقل کی۔ ڈی۔ کے۔ ہنس پڑا۔

اور وہی گیت پھر چل پڑا۔

زندگی تیرے غم نے ہمیں، رشتے نئے سمجھائے
ملے جو ہمیں دھوپ میں ملے، چھاؤں کے ٹھنڈے سائے

آج اگر بھر آئی ہیں، بوندیں برس جائیں گی
کل کیا پتہ، ان کے لیے آنکھیں ترس جائیں گی

ڈی۔ کے۔ راہل کے اسکول کے پرنسپل کے کمرے سے نکل رہا تھا۔ باہر راہل کھڑا تھا۔ اس سے کہا۔

''تھینک یو فادر۔ تھینک یو۔''

پھر راہل کو ساتھ لے کر چلنے لگا۔ راہل بولا۔

''مجھے اس اسکول میں نہیں رہنا ہے۔''

''کیوں....؟''

''مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''آپ کچھ دن یہاں رہیئے۔ آپ کو اچھا لگنے لگے گا۔ اور بھی تو بچے رہتے ہیں۔''

''میں دلی میں نہیں رہ سکتا؟''

''نہیں۔ آپ کو یہی رہنا ہے کچھ دن، ہوسٹل میں۔ سمجھے۔''

''میں آپ کے ساتھ کیوں نہیں رہ سکتا؟''

راہل، ڈی۔ کے۔ کو چھوڑ کر ہوسٹل کی طرف بھاگا۔ لیکن وہاں کے کمرے اور ہوسٹل وارڈن کا چہرہ دیکھ کر واپس لوٹ کر ڈی۔ کے۔ کے پاس آ گیا۔ ڈی۔ کے۔ نے اسے گود میں اٹھالیا۔ پھر گیت کے بول چل پڑے۔

جانے کب گم ہوا، کہاں کھویا

ایک آنسو چھپا کے رکھا تھا

تجھ سے ناراض نہیں زندگی......

راہل کو ڈی۔ کے۔ نے اپنی پیٹھ پر چڑھالیا اور وادیوں میں گھومتا رہا۔

رات کے وقت بستر پہ لیٹا ڈی۔ کے۔ راہل کی ڈرائنگ کاپی دیکھ رہا تھا۔ راہل اس کی پیٹھ دبا رہا تھا۔ ایک تصویر میں ایک آدمی کی تصویر تھی جو چشمہ لگایا ہوا تھا، پاس اس کے چھوٹا لڑکا بھی تھا۔ ڈی۔ کے۔ نے پوچھا۔

''ویری گڈ۔ اور یہ کون ہیں؟''

''یہ میں ہوں۔ اور یہ میرے پاپا۔''

"آپ کے پاپا چشمہ پہنتے ہیں؟"

"ہاں!"

ڈی۔ کے۔ نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس وقت ڈی۔ کے۔ نے بھی چشمہ لگا رکھا تھا۔ اسے شک ہوا راہل اسے ہی اپنا پاپا آئیڈیلائز کرتا ہے۔ ڈی۔ کے۔ کو پھر گیت کے بول سنائی دینے لگے۔

تجھ سے ناراض نہیں زندگی......

راہل بغل کے بستر پہ لیٹ گیا۔ ڈی۔ کے۔ نے اسے کمبل اوڑھا دیا۔

61-

ایک ٹیکسی جس میں ڈی۔ کے۔ اور راہل دلّی واپس آئے تھے۔ بنگلے میں اوپر بالکنی میں رنکی اور منّی بیٹھی تھیں۔ ٹیکسی کی آواز سن کر نیچے دیکھا اور چلا پڑی۔

"پاپا آ گئے۔ پاپا آ گئے۔"

اپنی کتابیں وہیں چھوڑ کر دونوں نیچے بھاگیں۔ منّی پہلے ممّی کے کمرے میں گئی۔

"ممّی، ممّی پاپا آ گئے۔"

ٹیکسی سے راہل اور ڈی۔ کے۔ نکلے۔ راہل بہت خوش تھا واپس آنے پر۔ اندو تیزی سے اٹھی آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔ کنگھی لے کر بال ٹھیک کیا اور مڑ کر جانے لگی کہ پھر یاد آ گیا وہی درد، وہی غصہ، ناراضگی۔

نیچے ہال میں راہل اور ڈی۔ کے۔ پہنچ گئے۔ بچیاں خوشی سے پاپا سے لپٹ گئیں۔ ڈی۔ کے۔ نے دونوں کو پیار کیا۔ منّی چلا رہی تھی۔

"پاپا آ گئے۔ پاپا آ گئے۔"

ڈی۔ کے۔ ان سے مل کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ بچے آپس میں ملے۔ رنکی نے کہا۔

"ہیلو راہل۔"

''ہیلو۔ ہیلو منّی۔''

منّی شرما کر رنگی کے پیچھے چھپ گئی۔

''ابھی اتنا چلا رہی تھی راہل بھیا آ گئے۔ راہل بھیا آ گئے۔ اور ابھی بات بھی نہیں کر رہی ہے۔ ابھی اتنا شرما رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد اتنا ہی تمھارے پیچھے پڑ جائے گی۔''

62۔

رات میں تینوں بچے کھیل رہے تھے۔ ایک دوسرے پر تکیہ پھینک رہے تھے۔ رنگی نے راہل سے پوچھا۔

''راہل تمھیں... نینی تال کے اسکول میں ایڈمیشن مل گیا؟''

''ہاں...!''

''تو تم چلے جاؤ گے؟''

''ہاں!''

یہ کہتے ہوئے راہل اداس ہو گیا اور ہاتھ کا تکیہ رکھ دیا۔ منّی اور رنگی بھی چپ سی اس کے آس پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

63۔

عبدل نے گیٹ کھولا تو چندا، تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ اور اندو کے پاس آ کر گلے لگ گئی۔ چندا کے چہرے سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔

''اندو۔''

''چندا۔ کیا ہوا؟''

''میجر صاحب... اور میں پھر سے... تم سمجھ گئی نا۔ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں۔''

چندا بہت خوش تھی۔ لیکن اندو اپنے دکھ سے پریشان تھی۔

''اوہو اندو.... دز از دی ہیپیسٹ ڈے آف مائی لائف۔''

''تم تو کہتی تھی.... تمھیں کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی پریوار کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ تم آزاد عورت ہو۔''

چندا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''آئی نو.... اگر میں صرف عورت ہوتی تو سب ٹھیک تھا۔ لیکن ماں بھی تو ہوں۔ جب میرے بیٹے نے میرا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ ''پلیز ممی گھر چلو۔'' تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔ مجھ سے رہا نہیں گیا اندو۔''

اندو چندا کے اور قریب آ کر بیٹھ گئی۔ چندا نے کہا۔

''ایک بات کہوں اندو۔ جب ماں کی بھاؤنا جاگتی ہے، تب اس کے سامنے عورت کھڑی نہیں رہ سکتی۔''

اندو یک ٹک چندا کے کھلے کھلے چہرے کو دیکھتی رہی۔ جیسے وہ جو کہہ رہی تھی وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ گیٹ سے اس کی دونوں بچیوں کی آوازیں آئی۔ دونوں اسکول سے واپس آئی تھی۔

''ممی... ممی... ہیلو آنٹی۔''

منّی نے رنکی کی طرف دیکھا۔ رنکی نے کہا۔

''تو بتانا۔''

''تو بتانا۔ ممی رنکی کلاس میں فرسٹ آ گئی۔''

اندو نے پیار سے رنکی کو بھینچ لیا۔ منّی نے کہا۔

''راہل بھیا نے تو سکھایا، تبھی تو فرسٹ آئی۔ ورنہ نہیں آتی۔''

چندا نے پوچھا۔

''راہل کون؟''

منّی نے کہا۔

''راہل بھیا۔''

اندو نے کہا۔

''وہ جس کے بارے میں بتایا تھا۔''

''اچھا ہوا بچے گھل مل گئے۔''

یہ سن کر اندو نے تعجب سے چندا کی طرف دیکھا۔ پہلے تو خود بھگانے کو کہا اور اب...

64۔

ڈی۔ کے۔ اپنے آفس میں سیکریٹری سے کسی فائل کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ وہیں راہل بھی کھڑا سب سن رہا تھا اور دیکھ رہا تھا۔

''میرے پرسنل کاغذ ہیں۔ پرسنل کاغذ ہیں راہل کے۔ نینی تال کے سارے پیپر۔ وہ کہاں ہیں؟... وہ سب ایک پرسنل فائل میں رکھنا تھا۔ آپ سے کہا تھا۔ وہ سب نینی تال بھیجنا ہے، راہل کے ساتھ.... اس ڈراور میں دیکھیے.... آخری والا۔''

ڈی۔ کے۔ خود بھی دوسری طرف ڈھونڈنے لگا۔

''سر یہی پیپر ہیں؟...''

''یہی ہیں۔ اس کو فائل میں رکھنا چاہیے تھا۔''

''سوری سر۔''

''راہل بیٹے یہ تمھارے کاغذ ہیں۔ انھیں تمھیں اپنے ساتھ لے جانا ہوگا۔ سنبھال لو۔''

''ٹھیک ہے انکل۔''

''جاؤ میرے کیبن میں بیٹھو۔ میں آتا ہوں۔''

راہل سامنے کے کیبن میں چلا گیا۔ اندر آکر وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ سیکریٹری بھی وہیں آئی اور ایک لفافہ دیتے ہوئے بولی۔

''بیٹے یہ چٹھی ان کاغذوں میں سے گر گئی ہوگی، ان میں رکھ دو۔''

''کس کی ہے؟''

سیکریٹری نے چٹھی پر لکھا پتہ پڑھا۔

''مسٹر ملہوترا۔فرام مسٹر گرودیال سنگھ، نینی تال۔''

یہ سن کر راہل بول پڑا۔

''مجھے دے دو۔''

راہل نے لفافہ دیکھا اور اندر سے چٹھی نکالی، اور پڑھنے لگا۔

65۔

ڈی۔کے۔کے باس مسٹر دھون اپنے کیبن میں کسی سے فون پر بات کر رہے تھے۔

''اوہ، آئی سی۔اچھا... اچھا...''

ڈی۔کے۔نے کیبن میں جھانکا۔دھون نے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔فون پر وہ بنسل صاحب سے بات کر رہے تھے۔

''وہ تو معلوم تھا.... آپ کو ضرور پسند آئے گی۔ٹھیک ہے.... ہاں.... ہاں.... میں دو چار دن بعد فون کرلوں گا۔تھینک یو۔''

فون رکھ کر وہ ڈی۔کے۔سے بولے۔

''ڈی۔کے۔لگتا ہے بنسل صاحب کو تمھارا پرپوزل بہت پسند آیا۔''

ڈی۔کے۔اور دھون صاحب بات کرتے ہوئے باہر نکلے۔ ڈی۔کے۔نے اپنے کیبن میں بیٹھے راہل کو پکارا۔

''چلو... راہل۔چلو.... وہ پیپر لےلو۔''

راہل، ڈی۔کے۔کی طرف ایک ٹک دیکھتا رہا۔پھر اٹھ کر اس کی طرف آیا۔

دھون صاحب نے پوچھا۔

''یہ بچہ کون ہے؟''

''یہ راہل ہے۔نمستے کرو۔''

''نمستے۔''

راہل چپ چپ سا تھا۔اس چٹھی کو پڑھنے کے بعد۔دھون صاحب نے کہا۔

''ہیلو مائی سن۔کس کا بیٹا ہے؟''

کچھ رک کر بولا۔

''میرے ایک... دوست کا سر۔''

یہ سن کر راہل کی آنکھیں بھر آئیں۔

''کہاں جا رہا ہے؟''

''نینی تال سر۔''

راہل آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے،ڈی۔کے۔کو دیکھے جا رہا تھا۔

66۔

رات کے وقت،اندو اپنی بچیوں کے کمرے میں انھیں دیکھنے آئی تھی۔ان کے لحاف کو ٹھیک کیا۔جب کمرے سے باہر آئی تو دیکھا مین گیٹ کھلا ہوا تھا۔وہ گیٹ کے پاس آئی ایک سویٹر گرا پڑا تھا۔اندو سویٹر دیکھ کر کچھ سوچ کر راہل کے کمرے میں آئی تو دیکھا کہ راہل کا بستر خالی تھا۔باتھ روم میں دیکھا وہاں بھی نہیں تھا۔پھر باہر لان میں آئی اور ادھر ادھر دیکھا،کہیں نہیں تھا۔وہ دوڑ کر اپنے کمرے میں گئی اور ڈی۔کے۔کو اٹھایا۔

''ڈی۔کے۔... ڈی۔کے۔راہل گھر میں نہیں ہے۔''

''کیا...؟''

''ہاں!.... میں نے سب جگہ ڈھونڈ لیا۔گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔''

ڈی۔کے۔اٹھ کر اندو کے ساتھ گھر کے باہر آیا لان میں۔اور آوازیں لگائیں۔

''راہل.... راہل....''

اندو نے بھی پکارا۔

''راہل........''

گھر میں رنکی ان کی آواز سن کر اٹھ بیٹھی اور ماں کو پکارنے لگی۔ ڈی۔ کے۔ اور اندو نے سارا گھر چھان مارا لیکن راہل کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ اندو اور ڈی۔ کے۔ گیٹ کے پاس پریشان کھڑے تھے۔ اوپر سے رنکی نے آواز دی۔

''ممی......''

رنکی کو دیکھ کر ڈی۔ کے۔ نے اندو سے کہا۔

''تم بچوں کو گھر میں دیکھو۔ میں باہر دیکھ کر آتا ہوں۔''

ڈی۔ کے۔ تیزی سے گیٹ کے باہر نکل گیا، راہل کو دیکھنا۔ اندو اوپر چلی آئی تو رنکی نے پوچھا۔

''ممی.... ممی راہل کو کیا ہو گیا؟''

''کچھ نہیں۔''

''پر پاپا راہل... راہل کیوں بلا رہے تھے؟''

''کچھ نہیں۔''

اندو رنکی کو لے کر اس کے کمرے میں آئی تو منی جو جاگ پڑی تھی۔ دونوں کو آتا دیکھ رونے لگی۔ اندو نے پیار سے چپ کرایا۔

-67

ڈی۔ کے۔ سڑک پر تیزی سے بڑھتے، ادھر ادھر دیکھتا راہل کو آوازیں دیتا ہوا ڈھونڈ رہا تھا۔

''راہل.... راہل.....''

ایک بنگلے کے باہر چوکیدار سے ڈی۔ کے۔ نے پوچھا۔

''ایک بچہ دیکھا۔ گورے رنگ کا ہے؟''

''نہیں صاحب۔''

''نیلی آنکھیں تھی۔''

''نہیں صاحب۔''
ڈی۔ کے۔ دوسری طرف مڑ کر سڑک کی دوسری طرف چل دیا۔
''راہل.... راہل.....''

68-

ڈی۔ کے۔ گھر پہ لوٹ آیا۔ اندو نے دروازہ کھولا۔
''کچھ پتہ نہیں چلا۔ تم پولیس کو فون کرو۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔''
اندو فون کرنے لگی تو، ڈی۔ کے۔ نے اس کے ہاتھ سے فون لیا۔
''پہلے سوری کو فون کرتا ہوں۔..... ہیلو سوری صاحب کو بلاؤ۔ مجھے معلوم ہے وہ سو رہے ہوں گے۔ اٹھاؤ انھیں۔ سوری صاحب کو بلاؤ بہت ضروری کام ہے۔ میں ڈی۔ کے۔ بول رہا ہوں۔ (غصے میں) میں کہہ رہا ہوں نا، اٹھاؤ اس کو۔''
پھر اندو سے کہا۔
''اندو..... فون لو.... سوری صاحب سے کہنا تیار رہے میں ان کے پاس پہنچ رہا ہوں۔''
اندو نے فون لیا۔ ڈی۔ کے۔ تیزی سے باہر نکل گیا۔

69-

ڈی۔ کے۔ گاڑی میں چلا جا رہا تھا۔ سوری صاحب کے بنگلے کے پاس پہنچا تو سوری صاحب تیار ہو کر کھڑے تھے۔
''کم آن سوری.... جلدی سے بیٹھو۔''
سوری صاحب کار میں بیٹھ گئے۔ گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ دونوں سڑک کے دونوں طرف دیکھتے جا رہے تھے۔ ڈی۔ کے۔ کو کچھ دوری پر ایک بچہ نظر آیا۔ ڈی۔ کے۔ گاڑی روک کر چلاتا بھاگا۔

''راہل..... راہل.....''

آواز سن کر بچہ بھی بھاگا۔

''راہل.... کہاں بھاگے جا رہے ہو؟''

ڈی۔ کے۔ تیزی سے بھاگ کر اسے جا لیا، لیکن وہ راہل نہیں تھا۔ بچے نے ڈر کر اپنا ہاتھ چھڑایا اور بھاگ گیا۔ ڈی۔ کے۔ مایوس گاڑی کے پاس واپس آیا۔

''سوری وہ نہیں ہے۔ کہاں مر گیا۔ کہاں چلا گیا۔''

سوری نے ڈی۔ کے۔ کو سہارا دیا۔

''کام ڈاؤن، ڈی۔ کے۔ وہ بچہ نہیں تھا۔ چلو پولیس تھانے چلتے ہیں۔''

پھر گاڑی پولیس تھانے کی طرف چل دی۔

70-

گھر پہ اندو بچوں کے پاس بیٹھی تھی۔ بچیاں بھی ڈری گئی تھیں۔

71-

تھانے میں۔ ڈی۔ کے۔ اور سوری صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ تھانیدار آرام سے فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ ڈی۔ کے۔ کو غصہ آ رہا تھا۔ تھانیدار نے فون رکھا تو کہا۔

''آپ ذرا جلدی کر سکتے ہیں؟''

تھانیدار نے رپورٹ لکھنا شروع کیا۔

''باپ کا نام؟''

ڈی۔ کے۔ نے غصے میں پوچھا۔

''باپ کا نام جان کر کیا کریں گے؟.... بچے کا نام ہے آپ کے پاس، اس کا پورا نام ڈسکرپشن آپ کے پاس ہیں۔ اسے ڈھونڈ کے، اس کے باپ کا نام پوچھو گے؟''

ڈی۔ کے۔ غصے میں تھا۔ تھانیدار نے سوال دوہرایا۔

''باپ کا نام؟''

سوری بولنے لگا۔

''ڈی.....''

ڈی۔ کے۔ نے سر جھکا کر کہا۔

''ڈی۔ کے۔ ملہوترا۔''

''ذرا زور سے بولیے۔''

''ڈی۔ کے۔ ملہوترا، کیا آپ کو سنائی نہیں دیتا کیا؟''

سوری نے سمجھایا۔

''چپ یار چپ۔''

-72

گھر کا فون بجا۔ اندو نے فون اٹھایا۔ فون پر ڈی۔ کے۔ تھا۔

''ڈی۔ کے۔ کچھ معلوم ہوا؟ کہاں سے بول رہے ہو؟''

''یہاں پولیس اسٹیشن کے پاس پٹرول پمپ ہے وہاں سے بول رہا ہوں۔ رپورٹ تو لکھا دی۔''

بولتے ہوئے ڈی۔ کے۔ کی آواز بالکل دب گئی۔ گلا بھر آیا۔

''کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے۔ کیا ہو گیا اس کو؟''

ڈی۔ کے۔ رونے لگا۔ اندو نے سمجھایا۔

''ڈی۔ کے۔..... ڈی۔ کے۔..... دیکھو ڈی۔ کے۔ تم گھر آ جاؤ۔ وہاں بیٹھے رہنے سے کیا ہوگا؟''

ڈی۔ کے۔ نے فون رکھا۔ سوری صاحب اس کے قریب آ گئے۔

''کیا کہا؟''

ڈی۔ کے۔ چپ رہا۔

73۔

سوری اور ڈی۔ کے۔ تھوڑی دیر بعد پھر پولیس اسٹیشن پہنچے۔ سوری صاحب نے پوچھا۔

''کچھ معلوم ہوا صاحب۔''

''جی نہیں۔ ابھی کوئی خبر نہیں۔''

ڈی۔ کے۔ کرسی پر بیٹھ گیا اور غصے میں پوچھا۔

''آپ یہ بتایئے، آپ کا اتنا بڑا پولیس ڈپارٹمنٹ کس کام کا ہے؟.... ایک بچے کو نہیں کھوج پا رہا ہے۔''

سوری صاحب نے ڈی۔ کے۔ کو سنبھالا، اور تھانیدار سے بولا۔

''سوری...... تو چل نا۔''

ڈی۔ کے۔ کو کھینچ کر سوری صاحب گاڑی تک لے آئے۔

74۔

ڈی۔ کے۔ کے گھر کی گھنٹی بجی۔ اندو نے دروازہ کھولا تو دیکھا سامنے راہل کھڑا تھا ایک پولیس والے کے ساتھ۔

''یہ لڑکا ہمیں ملا۔ کیا یہ آپ کا ہے؟.... یہ چٹھی اس کی جیب سے ملی۔ ہمیں بتا ہی نہیں رہا تھا۔ کہاں رہتا ہے؟.... اس میں یہاں کا پتہ لکھا ہے۔''

راہل سہما ہوا سا گھر میں داخل ہوا۔ یہ چٹھی وہی تھی جسے راہل نے پڑھا تھا اور گھر چھوڑ دیا تھا۔ اس چٹھی سے اسے پتہ چل گیا تھا کہ ڈی۔ کے۔ اس کے پتا تھے اور وہ اسے اپنا نہیں رہے تھے۔ اندو نے راہل سے پوچھا۔

''کہاں گئے تھے؟''

راہل چپ رہا۔ اس کے چہرے پر ایک درد کی سوچ اتر رہی تھی۔

''میں پوچھ رہی ہوں.... کہاں گئے تھے؟''

راہل ابھی بھی چپ ہی رہا۔

''میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔ کہاں گئے تھے؟''

راہل کچھ اور آگے بڑھ کر رک گیا۔

''تمھیں شرم نہیں آتی، مہمان بن کر کسی کے گھر میں آئے ہو۔ تمھارے لیے اتنا کچھ کر رہے ہیں۔''

راہل چپ رہا۔ جیسے اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔ جیسے سب کچھ کھو چکا ہو۔ اندو بولتی رہی۔

''بجائے اس کے کہ احسان مند ہو ایسی حرکت کرتے ہو تم۔ اب میرے سامنے ایسے بت بن کر کھڑے ہونے سے کیا ہوگا؟.... اتنا بھی نہیں کہ آکے معافی مانگ لو۔ سوری کہہ دو۔ چلے جاؤ.... چھٹکارہ مل جائے گا سب کو۔ جب سے آئے ہو اس گھر کا چین ختم ہو گیا ہے۔ تمھیں معلوم ہے رنکی اور منّی کتنا پریشان ہو رہے تھے۔ منّی کا تو رو رو کر برا حال ہو گیا تھا۔ اور میں تب سے اس گھر میں چکر کاٹ رہی ہوں..... اگر تمھیں کچھ ہو جاتا تو ہم لوگ کہاں جاتے، کیا کرتے؟.....''

راہل بس چپ سا رہا اور سب سنتا رہا۔

''آدھی رات میں کوئی اکیلے جاتا ہے اس شہر میں؟.... بچوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں لوگ۔ سارے شہر کی پولیس ڈھونڈ رہی ہے۔ اگر تمھیں کچھ ہو جاتا تو.... تمھارے پاپا اور میں............ میرا مطلب ہے تمھارے انکل اور میں.....''

راہل نے پہلی بار گھوم کر اندو کی آنکھوں میں دیکھا اور زبان کھولی۔

''مجھے معلوم ہے۔''

''کیا معلوم ہے؟''

''کہ وہ میرے پاپا ہیں، چٹھی میں لکھا ہے۔''

راہل اتنا کہہ کر اسٹڈی روم میں چلا گیا۔ اندو ایک دم چپ رہ گئی۔ اور ہاتھ میں پکڑی چٹھی کو گھورنے لگی۔ اس کا سارا غصہ سوچ میں ڈھل رہا تھا۔ کہ راہل کو سچائی کا پتا چل گیا ہے۔ اس لیے اس کا ایسا رویہ ہو رہا ہے۔

75۔

راہل اپنے کمرے میں دیوار میں سر چھپائے روتا رہا۔ ڈی۔ کے۔ اور سوری صاحب گھر آئے۔ اندو وہیں کھڑی تھی۔ راہل کی سسکی سنائی دے رہی تھی۔ ڈی۔ کے۔ راہل کے کمرے کی طرف دیکھنے لگا۔

''راہل........''

ڈی۔ کے۔ بے اختیار اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اندو نے روکا۔

''رہنے دو۔ اسے....''

ڈی۔ کے۔ رک گیا۔ اندو کے قریب آیا تو اندو نے بتایا۔

''اسے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ تم اس کے پاپا لگتے ہو۔''

''کیسے؟....''

''اُس کے پاس یہ چٹھی تھی۔''

اندو نے وہ چٹھی، ڈی۔ کے۔ کو دی۔ ڈی۔ کے۔ چٹھی لے کر سوری کی طرف دیکھنے لگا۔ سوری نے اشارے سے اسے راہل کے پاس جانے کو کہا۔ ڈی۔ کے۔ راہل کے کمرے میں گیا۔

''راہل...... بیٹے...... تم کب گھر آئے؟.... مجھ سے ناراض ہو۔ میں نے اور سوری انکل نے تمھیں بہت ڈھونڈا۔''

راہل نے مڑ کر نہیں دیکھا اور کمرے کی دوسری طرف چلا گیا۔

ڈی۔ کے۔ مایوس سا ہال میں واپس آیا۔ جہاں سوری صاحب اور اندو تھے۔ ڈی۔ کے۔ کا سر جھکا ہوا تھا۔ سوری صاحب نے پوچھا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

''کیا کہا؟''

''کچھ بولتا ہی نہیں۔ آئی کین انڈر اسٹینڈ۔''

''ہاں ہم سمجھتے ہیں۔ جو بچہ اتنے سالوں سے اپنے باپ کے پاس پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اور جب پہنچ جائے......''

ڈی۔ کے۔ سنتا رہا۔ اندو کی بھی آنکھیں بھر آئیں۔ ہر کوئی اپنے آپ کو گناہ گار سمجھ رہا تھا۔ اس کے بچپن کو چھیننے کا۔ سوری آگے کہتا رہا۔

''اور باپ اسے سیو کا رہی نہیں کر رہا ہو۔ اسے الگ رکھ دے۔ اسے کہیں دور بھیج دے۔ ڈی۔ کے۔ سوچو۔ اس بچے کے دل پر کیا گزرے گی؟''

اتنا کہہ کر سوری صاحب اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔ ڈی۔ کے۔ نے اندو سے اوپر اپنے کمرے میں چلنے کو کہا۔

''چلو۔''

''کہاں؟.... میں تھوڑی دیر بعد آتی ہوں۔''

''سنو...... صبح تم بچوں کو ٹیکسی میں اسکول چھوڑ آنا۔ میں راہل کو اسٹیشن لے جاؤں گا۔''

ڈی۔ کے۔ اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اندو وہیں بیٹھی سوچتی رہی۔ اور پھر وہی گیت کے بول یاد آنے لگے۔

زندگی تیرے غم نے ہمیں، رشتے نئے سمجھائے
ملے جو ہمیں دھوپ میں ملے، چھاؤں کے ٹھنڈے سائے
تجھ سے ناراض نہیں زندگی حیران ہوں میں..........

اندو راہل کے کمرے میں آئی۔ راہل اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس نے لحاف

راہل پر اوڑھایا، اندو کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔ راہل نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔

''سوری.... آنٹی.....''

اندو یہ سن کر برداشت نہیں کر پائی، اور کمرے سے بھاگتی ہوئی نکلی اور سیڑھیوں پر بیٹھ کر رونے لگی۔

-77

صبح رنگی اور منّی اسکول جارہی تھیں۔ اندو انھیں ٹیکسی سے چھوڑنے جارہی تھی۔ راہل نکل کر ان کے پاس آیا۔ دونوں بہنوں کو معلوم تھا۔ راہل نینی تال جارہا ہے۔ رنگی نے کہا۔

''بائے، بائے راہل۔''

''بائے۔ بائے۔''

منی نے راہل کے پاس آکر اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا۔ رنگی نے آواز دی۔

''چلو منّی۔ چلو منّی دیر ہو رہی ہے۔''

منّی راہل کا ہاتھ نہیں چھوڑ رہی تھی۔ رنگی ان کے پاس آئی اور ہاتھ چھڑا کر لے گئی۔ ٹیکسی میں دونوں بیٹھیں۔ اندو بھی راہل کو دیکھ رہی تھی۔ ٹیکسی چل پڑی۔ راہل ٹیکسی کے پیچھے تھوڑا سا بھاگا پھر رک گیا۔

ٹیکسی میں بچیاں اور اندو خود بھی بہت اداس تھیں۔ رنگی نے ماں سے پوچھا۔

''ممّی راہل، کیوں بھاگ گیا تھا؟''

''پتہ نہیں۔''

''اب... اب وہ واپس نہیں آئے گا ممّی؟''

''پتہ نہیں۔''

''وہ ادھر جا کر، کس کے پاس رہے گا۔''

''اپنے پاپا کے پاس۔''

''لیکن اس کے تو پاپا ہے ہی نہیں۔''

اندو چونک کر رنکی کی طرف دیکھنے لگی۔ منّی کہنے لگی۔

''ہاں... ہاں... انھوں نے اپنے پاپا کی تصویر بنا کر دکھایا تھا۔''

منّی نے اپنے بیگ سے ایک کاپی نکالی۔ رنکی بولی۔

''ارے یہ تو راہل کی اسکیچ بک ہے۔''

''ہاں.... انھوں نے مجھے دی ہے۔''

اور منّی نے تصویریں دکھاتے ہوئے بتایا۔

''یہ ممی۔ یہ پاپا۔ یہ تم، یہ میں اور یہ راہل بھیا۔''

اندو بھی تصویریں دیکھنے لگی۔ ایک تصویر میں راہل کی تصویر بننے کے بعد کاٹی گئی تھی۔ اندو نے پوچھا۔

''منّی تم نے راہل کی فوٹو کاٹی۔''

''نہیں۔''

اندو سوچ میں پڑ گئی۔

78۔

ڈی۔ کے۔ اپنی کار سے راہل کو ریلوے اسٹیشن لے جا رہا تھا۔ جہاں تیواری جی آنے والے تھے، راہل کو لینے۔ ڈی۔ کے۔ بالکل خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ بغل میں راہل بھی خاموش تھا۔

79۔

اندو ٹیکسی سے واپس گھر آئی اور تیزی سے گھر میں داخل ہوئی اور نوکر کو آواز دی۔

''عبدل..... صاحب کہاں ہیں؟''

''وہ تو راہل بابا کو لے کر دلّی ریلوے اسٹیشن چلے گئے۔''

80۔

دلّی اسٹیشن کا ایک نمبر پلیٹ فارم، بھیڑ سے بھرا ہوا۔ تیواری جی تیزی سے مین گیٹ کی طرف جا رہے تھے۔ ڈی۔ کے۔ سامنے سے آ رہا تھا۔ اس نے انھیں آواز دی۔

''ارے تیواری جی۔''

''جی... ڈی۔ کے۔ صاحب۔''

''کیسے ہیں؟''

''ٹھیک۔ ارے راہل بیٹے کیسے ہو؟... چلیے ٹرین کا ٹائم ہو گیا ہے۔''

''چلیے۔''

تیواری جی نے راہل کا سوٹ کیس لے کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تینوں ٹرین کی طرف جانے لگے۔ ٹرین میں ڈبہ تک پہنچ کر تیواری جی اندر چلے گئے اور سامان اپنی سیٹ پر رکھا۔ راہل باہر ہی کھڑا رہا جیسے جانا ہی نہیں چاہتا۔ تیواری جی بھی آ گئے اور کہا۔

''چلو بیٹے راہل۔ ٹرین کا ٹائم ہو گیا۔''

راہل چلنے لگا کہ کچھ سوچ کر ڈی۔ کے۔ کی طرف مڑا اور پوچھا۔

''آپ مجھے ملنے آئیں گے؟''

''ہاں.... بیٹے ضرور آئیں گے۔''

ڈی۔ کے۔ کے چہرے پہ ایک درد لہرا گیا۔

''آپ پھر سے مجھے بھول تو نہیں جائیں گے؟''

''نہیں۔ بیٹے۔ کبھی نہیں۔ اب نہیں۔ تم تو نہیں بھولو گے ہمیں؟''

''آپ کو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ آپ تو میرے پاپا ہیں نا۔''

''ہاں۔ ہاں بیٹا میں آپ کا پاپا ہوں۔ میں آپ کا پاپا ہوں۔''

راہل یہ سن کر ڈی۔ کے۔ کے گلے لگ کر رونے لگا۔ ڈی۔ کے۔ بھی رونے

لگا۔ تیواری جی نے کہا۔

"آؤ بیٹے۔ ٹرین کا ٹائم ہو گیا ہے۔"

ڈی۔ کے۔ نے راہل کو گود میں لے لیا اور ٹرین کے ڈبے کی طرف بڑھنے لگا۔

تیواری جی سے پوچھا۔

"کھانے کا انتظام کر دیا نا؟"

"ہاں۔"

"اور پانی...؟"

"وہ بھی رکھ لیا۔"

"اسے باہر کا پانی مت دیجیے گا۔ وہ بوتل کا گرم پانی ہے۔ بیٹے وہ بوتل ہے؟"

"وہ تو گاڑی میں چھوٹ گئی۔"

تیواری جی نے کہا۔

"صاحب گاڑی چھٹنے کا ٹائم ہو گیا۔"

"میں ابھی لے کر آتا ہوں۔"

راہل کو گاڑی میں بٹھا کر ڈی۔ کے۔ دوڑا اپنی کار کی طرف۔ تیواری نے کہا۔

"ڈی۔ کے۔ صاحب۔ ٹرین کا وقت ہو گیا۔

لیکن ڈی۔ کے۔ رکا نہیں۔ تیواری جی اور راہل اسے دیکھتے رہے۔

-81

ڈی۔ کے۔ جیسے ہی پلیٹ فارم کے باہر نکلنے لگا۔ ایک ٹی۔ سی۔ نے اسے روک کر ٹکٹ مانگا۔ ڈی۔ کے۔ اپنی جیب میں تلاشنے لگا۔

"ٹی۔ سی۔ صاحب۔ مجھے ایک منٹ میں باہر سے کچھ لانا ہے۔"

"ٹکٹ۔"

"میرا بچہ گاڑی میں بیٹھا ہے۔ اس کی واٹر بوتل لانی ہے۔"

''آپ یہاں کھڑے ہو جایئے۔''

''میں آپ سے کہہ رہا ہوں، ٹکٹ ہے میرے پاس۔''

''میں جو کہہ رہا ہوں۔ آپ ادھر کھڑے ہو جایئے۔''

ڈی۔ کے۔ نے اپنا پرس دیکھا۔ اس میں بھی ٹکٹ نہیں ملا۔

-82

ڈی۔ کے۔ اپنی کار کے پاس پہنچا۔ اس کی کار کے بغل میں دوسری کار کھڑی تھی۔ جس کی وجہ سے ڈی۔ کے۔ اپنی کار کا دروازہ نہیں کھول پا رہا تھا۔ ایک آدمی جو پہلے سے کھڑا تھا بولا۔

''وہ آدمی کی گاڑی ہے۔''

''اوہ.... بھائی.....''

ڈی۔ کے۔ گھبراہٹ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس کار کا آدمی پاس آیا۔ ڈی۔ کے۔ نے کہا۔

''اپنی گاڑی ہٹایئے۔ ایسے لگا رکھا ہے۔ دوسرا آدمی دروازہ بھی نہیں کھول سکتا۔ ہٹایئے۔''

''ہاں.... ہاں.... ابھی نکالتا ہوں۔''

''یہاں میری گاڑی چھوٹ رہی ہے۔''

اس آدمی نے اپنی گاڑی ہٹائی۔ ڈی۔ کے۔ تیزی سے کار کا دروازہ کھول پانی کی بوتل لے کر بھاگا، اسٹیشن کے اندر۔ ڈی۔ کے۔ پلیٹ فارم پر پہنچا تو گاڑی چھوٹ چکی تھی اور بہت پلیٹ فارم چھوڑ چکی تھی۔ پلیٹ فارم کو چھوڑتی گاڑی آگے جا رہی تھی اور ڈی۔ کے۔ اپنے ہاتھ میں پکڑی، پانی کی بوتل لے کر دیکھتا رہ گیا۔

-83

اسٹیشن سے باہر ڈھیلے قدموں سے ڈی۔ کے۔ اپنی کار کی طرف آیا تو چونک گیا۔ کار کی پچھلی سیٹ پر راہل کے ساتھ رنگی اور منّی بیٹھے تھے۔ آگے اندو۔ رنگی نے خوشی سے کہا۔

''پاپا۔ راہل اب ہمارے ساتھ ہی رہے گا۔''

بچوں کے چہرے پہ خوشی دوڑ رہی تھی۔ منّی نے جھٹ کہا۔

''ممّی نے کہا ہے۔''

بچوں کو اس طرح خوش ہوتے دیکھتے ہوئے ڈی۔ کے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور اندو کو دیکھنے لگا۔ اندو نے بھی اسے دیکھا۔ ڈی۔ کے۔ ایسے ہی دیکھتا رہا تو اندو نے ٹوکا۔

''یہیں بیٹھے رہو گے۔ یا گھر بھی چلو گے؟''

بچے چیخ چیخ کھیلنے لگے۔ ان کا شور آج دونوں کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ڈی۔ کے۔ نے گاڑی گھر کی طرف چلا دی۔

****

معصوم

شبانہ اعظمی	:	اندو
نصیر الدین شاہ	:	ڈی۔ کے۔
سپریا پاٹھک	:	بھاؤنا
تنوجہ	:	چندا
سعید جعفری	:	سوری صاحب
جے راج	:	ماسٹر جی
ستیش کوشک	:	ہری تیواری
ارمیلا	:	رنکی
آرادھنا	:	منی
جگل ہنس راج	:	راہل

پروڈیوسر	:	دیوی دت، چندا دت
میوزک	:	آر۔ ڈی۔ برمن
ڈائرکٹر	:	شیکھر کپور
اسکرین پلے، ڈائیلاگ		
اور گیت کار	:	گلزار